بے گناہ قاتل
PakistaniPoint
Aik Rabta Apnon Sey
اثر نعمانی
شہزاد سیریز
21

شہزاد سیریز (۲۱)

بے گناہ قاتل

○

اشتر نعمانی

○

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

○ پشاور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باب ۱

شہزادہ علی ایک موٹا سا رجسٹر کھولے ہاتھ میں بال پوائنٹ قلم لیے میزان لگا رہا تھا۔

"تین اور دو پانچ اور سات بارہ — بارہ — بارہ — بارہ اور نو اکیس — اکیس — اکیس — اکیس کا ایک حاصل لگے بیس — لاحول ولا قوۃ — حاصل لگے دو — دو — دو — دو اور دو — چار — چار — چار اور پانچ — نو — نو — نو — نو اور ایک دس — دس — دس — دس اور سات سترہ — سترہ کا ایک حاصل سات — اوہ — سترہ کے سات حاصل لگا ایک — ایک اور ایک گیارہ —"

"ایک اور ایک، دو ہوتے ہیں سرکار" آغا شامت نے کہا۔ وہ بڑی دیر سے شہزادہ علی کے پیچھے کھڑے ہوئے یہ گنتی سن رہے تھے۔

"کون ہے" شہزادہ علی نے رجسٹر سے نگاہ اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا "ہمیں کس نے مشورہ دیا۔ پھر مشورہ دو مشیر ہم سن رہے ہیں۔ ہمارا مطلب ہے ہم سن رہے ہیں"

"مشیر نہیں سرکار میں ہوں آغا شامت" آغا صاحب سامنے آ گئے۔

"تم ہمارے عقب میں کیا کر رہے تھے" شہزادہ نے گھورا "ہم تو اس وقت ننگے سر بھی نہیں ہیں"

"آپ کا مطلب ہے سرکار کہ میں شیطان ہوں" آغا شامت نے منہ بنایا۔

"ہمارے مطلب کی بات چھوڑو۔ اپنے مطلب کی بات کرو" شہزادے نے کہا "تم کیا کہہ رہے تھے"

"میں عرض کر رہا تھا کہ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں"

"غلط" شہزادے نے نفی میں سر ہلایا "ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔ محاورہ

یہ ہی کہتا ہے۔"

"مگر آپ اس وقت کوئی بامحاورہ عبارت نہیں لکھ رہے ہیں۔ حساب کر رہے ہیں۔"

"گویا حساب بامحاورہ نہیں ہو سکتا۔" شہزادے نے جواب دیا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا سرکار۔" آغا شامت نے سر کھجایا "مگر حساب میں ایک اور ایک دو ہی ہوتے ہیں گیارہ نہیں ہوتے۔"

"محاورے تصنیف کرنے والے تم سے زیادہ حساب داں تھے۔" شہزادہ نے کہا "اچھا بتاؤ نو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔"

"گیارہ۔"

"بالکل ٹھیک۔ محاورہ بھی یہ ہی کہتا ہے کہ نو دو گیارہ ہو جاؤ۔" شہزادہ علی فاتحانہ لہجہ میں بولا "اتنا ہی نہیں اعداد و شمار کے متعلق اور بھی کئی محاورے ہیں۔ مثلاً تین پانچ کرنا، چھٹی کا دودھ یاد دلانا۔ نو نقد نہ تیرہ ادھار۔ چار دن کی چاندنی وغیرہ وغیرہ۔ تمہیں اوٹ پٹانگ اشعار خواہ کتنے ہی یاد ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ محاوروں کے بارے میں تمہاری معلومات بےحد ناقص ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر تم نے وہ جمعہ جمعہ آٹھ دن والا محاورہ سن لیا ہوتا تو ضرور اعتراض کرتے کہ علم الحساب کی رو سے باہمی مماثلت رکھنے والی چیزیں ہی ایک دوسرے میں جمع کی جا سکتی ہیں اس لیے دن جمع کر کے ان کا جواب اعداد میں نکالنا غلط ہے اور جمعہ جمعہ آٹھ کے بجائے جمعہ جمعہ دو جمعہ یا جمعہ اسکوائر کہنا صحیح ہوگا۔ کیوں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا سرکار مگر ایک اور ایک دو ہی ہوتے ہیں۔ آپ کسی سے بھی معلوم کر لیں۔" آغا شامت نے جواب دیا "بقول شاعر مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے۔ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں۔"

"کیا۔" شہزادہ چونکا "تم کہیں جا رہے ہو۔ مگر ہم آجکل تمہیں ایک دن کی بھی چھٹی نہیں دے سکتے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ ہم ایک نیک مقصد کی تکمیل میں کس قدر مصروف ہیں۔ آرٹسٹ گلڈ نے جامع مسجد کی تعمیر کے لیے رقص و سرود کی محفل کا سارا انتظام ہمارے ناتواں کندھوں پر رکھ دیا ہے۔ اور ہم ——————"

"مگر سرکار وہ تو میں نے صرف شعر پڑھا تھا۔ میں خود تو کہیں نہیں جا رہا ہوں۔" آغا شامت نے بات کاٹ کر کہا۔

"صرف شعر پڑھا تھا۔" شہزادہ علی نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"گویا تم مانتے ہو کہ ایک اور ایک گیارہ ہو سکتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ وہ تو دو ہی ہوتے ہیں بقول شاعر ——————"

"اچھا بس بس۔" شہزادہ نے ہاتھ اٹھا کر تیزی سے کہا "مزید شعر سنا کر ہمیں بور مت کرو۔ جس کام سے آئے ہو اسے انجام دو اور چپ چاپ چلے جاؤ۔ ہم اس وقت چندے کی آمد و رفت کا حساب لگا رہے ہیں۔"

"مجھے تو آپ ہی نے بلایا تھا۔"

"ہم نے بلایا تھا ——————"

اسی وقت کال بیل بجنے کی آواز سنائی دی

"آغا صاحب۔" شہزادے نے آنکھیں نکالیں "تم ہماری آواز اور گھنٹی میں تمیز نہیں رکھتے۔ ہم نہیں کوئی دروازے پر بلا رہا ہے۔ جا کر دیکھو کون ہے۔"

آغا شامت بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی طرف چلے۔

"آغا صاحب۔" شہزادے نے آواز دی۔

"جی۔" آغا شامت نے رک کر شہزادے کی طرف دیکھا۔

"تمہیں ابا حضور کا قول یاد نہیں کہ بڑبڑانا صرف بڑے آدمیوں کا کام ہوتا ہے۔ آئندہ ہم تمہیں بڑبڑاتے نہ سنیں۔"

"تو سرکار مجھ جیسے چھوٹے آدمی کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کریں۔"

"اوّل تو یہ ہی بات متنازعہ فیہ ہے کہ چھوٹے آدمیوں کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔ فرض محال اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو چھوٹے آدمی کی رعایت سے تمہیں زیادہ سے زیادہ چھڑ چھڑانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔"

"چھڑ چھڑانا۔ یہ کیا ہوتا ہے اور کیسے کیا جاتا ہے۔" آغا شامت نے حیرت سے
پوچھا

"یہ معلوم کرنا ہمارا نہیں تمہارا کام ہے۔" شہزادے نے جواب دیا" اور چونکہ تمہیں
معلوم نہیں ہے۔ اس لیے جب تک معلوم نہ کر لو اظہار جذبات کی ضرورت نہیں ہے اور
اب کسی طرح جا بھی چکو۔ ورنہ وہ بھلا آدمی گھنٹی بجا بجا کر دشمنوں کے کان بہرے کر دے گا"

آغا شامت چلے گئے۔ شہزادہ پھر اپنے رجسٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دوسرے لمحے
سارجنٹ شریف کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم" اس نے کہا" یہ کیا ہو رہا ہے"

"وعلیکم السلام" شہزادے نے جواب دیا" رجسٹر میں چندہ جمع ہو رہا ہے"

"اسٹیشن نہیں چلیں گے۔"

"نہیں ہم اس وقت مصروف ہیں" شہزادے نے بدستور رجسٹر پر جھکے ہوئے
جواب دیا۔

"مگر آپ استقبالیہ کمیٹی کے صدر ہیں"

"تمہیں رشک آرہا ہو تو تم بن جاؤ۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا" شریف نے مسکراتے ہوئے کہا" دیکھیے نا اگر استقبالیہ
کمیٹی کا صدر ہی استقبال کے موقع پر موجود نہ ہوا تو مس گلنار کیا سوچیں گی۔ پھر آپ
وعدہ بھی تو کیا تھا"

"کون کیا سوچیں گی" شہزادہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"مس گلنار"

"یہ کون محترمہ ہیں"

"ملک کی مایہ ناز ڈانسر اور اداکارہ" شریف نے بتایا" جو اس فنکشن میں
فن کا ——"

"کشش کرنے آرہی ہیں" شہزادے نے جلدی سے کہا" ہمیں آج معلوم ہوا کہ

کو فنکشن اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں آرٹسٹ اور فن کار اپنے فن کا کشش کرتے ہیں۔
فن کشش۔ بہت خوب"

شریف ہنسنے لگا۔

"یہ معنے آپ نے خوب پیدا کیے۔ بہرحال تو آپ جلدی سے اٹھ کر لباس تبدیل کیجئے
ٹرین آنے میں صرف پینتالیس منٹ رہ گئے ہیں"

"مگر ہم نے تو مس زنار سے نہیں کیا تھا کہ وہ ——"

"افوہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حسب عادت بھول گئے" شریف نے بات کاٹی" میں
آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ مشرقی صوبے کے سیلاب زدگان کی مدد کرنے کے لیے آپ نے
چندہ جمع کرنے کی ایک مہم شروع کی ہے ——"

"وہ تو ہم نے اپنے لیڈروں کی پیروی کی تھی۔" شہزادے نے جلدی سے گویا عذر
پیش کیا" ابا حضور کا قول ہے کہ بے کار مباش کچھ کیا کر۔ کچھ نہ سہی تو چندہ ہی
لیا کر۔"

"درست ہے" شریف نے اپنی بات جاری رکھی" چنانچہ اسی مہم کے سلسلہ میں
آپ نے ایک فنکشن بھی ترتیب دیا ہے جس میں مس گلنار کو اپنے رقص کا مظاہرہ کرنا ہے
اور وہ آپ کی دعوت پر آج شا نور سے گیارہ بجے کی ٹرین سے آرہی ہیں"

"خدا کے غضب سے ڈرو سارجنٹ ہم تو صرف چندہ دینے کے گناہگار ہیں۔ باقی
رہی یہ فنکشن وغیرہ کی بات تو یہ تم لوگوں کی شرارت ہے۔ ہمیں سفید ہاتھی بنا کر آگے
کر دیا ہے۔ آغا صاحب ہوتے تو اس موقع پر ضرور کہتے کہ بقول شاعر نیکی برباد گناہ لازم۔
مگر نہیں یہ تو غالباً شعر نہیں محاورہ ہے کوئی۔ بہرحال مطلب ہمارا یہی ہے کہ ہم نے
صرف ایک مشورہ دیا تھا اس کا نتیجہ یہ بھگت رہے ہیں کہ سب کچھ ہمارے اوپر لاد دیا گیا ہے
لیکن یہ ہم مس زنار کو برداشت نہیں کریں گے۔ آج تم نے کہا ہے کل کوئی رپورٹر اخبار
میں چھاپ دے گا۔ ابا حضور کی آنکھوں تک بات پہنچی ——"

"آنکھوں تک بات پہنچی" شریف نے ٹوکا۔

"بالکل۔" اخبار سے بات آنکھوں تک ہی پہنچتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم جاکر ان کے کانوں میں بھی پھونک آؤ۔" شہزادے نے جواب دیا " بہر حال تو ہم کیا کہہ رہے تھے۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ بس ابھی دس منٹ میں تیار ہوئے جاتے ہیں۔" شریف نے جلدی سے کہا۔

"بلکہ دس منٹ بھی نہیں لگیں گے۔" شہزادہ علی نے رجسٹر بند کرکے اُٹھتے ہوئے کہا "صرف کوٹ ہی تو ——"

وُہ کہتے کہتے رُک گیا اور شریف کو گھور کر دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ ہم یہ ہی کہہ رہے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ بالکل میرے سامنے کی بات ہے۔"

"اچھا۔" شہزادے نے سر کھجایا "تو پھر تم بیٹھو ہم ابھی کوٹ پہن کر آتے ہیں۔" وہ بیڈ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔

"عجیب بات ہے۔" وہ جاتے ہوئے بڑبڑایا "ہمیں نہ جانے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے جیسے ہم کچھ بھول رہے ہیں۔"

شریف نے یہ الفاظ سُنے اور بڑی مشکل سے اپنے قہقہے ضبط کر سکا۔

سٹی اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر ۲ پر لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا۔ ایک طرف آرٹ سرکل کی استقبالیہ کمیٹی کے تین چار ممبران ہار پھول لیے کھڑے تھے۔ گلنار ملک کی خاصی مشہور ڈانسر تھی۔ اس کی آمد کو پریس سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اس لئے پلیٹ فارم تماشائیوں سے خالی تھا۔ شہزادہ علی اور سارجنٹ شریف استقبالیہ کمیٹی کے اراکین سے علیحدہ ایک طرف کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ پلیٹ فارم پر لگا ہُوا الیکٹرک کلاک

گیارہ بجکر دس منٹ بجا رہا تھا۔

"ہم نے ابھی پُورے رجسٹر کا ٹوٹل نہیں کیا ہے۔" شہزادہ نے کہا "لیکن رقم کا شمار دس ہزار سے اُوپر پہنچ چکا ہے۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ فنکشن سے کم و بیش بیس ہزار کی آمدنی ہوگی۔" شریف نے کہا "دیکھ لیجئے ہمارا مشورہ کتنا مفید ثابت ہُوا۔ آپ محض چندہ وصول کر کے پانچ ہزار بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

"تم خوش ہو رہے ہو اور ہمیں قوم کی حالت زار پر افسوس ظاہر کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔" شہزادہ علی نے جواب دیا۔

"آپ کا اشارہ سیلاب زدگان کی طرف ہے۔"

"نہیں ہمارا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے برہنہ پنڈلیوں اور مٹکتے کولھوں کو دیکھنے کے لیے بلا تامل سو روپیہ کا ٹکٹ خرید لیا لیکن یُوں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کے لیے ان کی جیب سے دس روپیے بھی نہ نکلتے۔"

"اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ لوگ اسی وقت کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں جب انھیں اس کے عوض کچھ ملنے کی امید ہوتی ہے۔" شریف نے کہا۔

"اسی کو محاورے کی زبان میں کہا جاتا ہے۔ گانٹھ کا پُورا آنکھ کا اندھا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آج کا انسان گھاٹے کا سودا کر کے خوش ہوتا ہے۔" شہزادے نے جواب دیا "یہ ہی سو روپیہ بغیر تماش بینی کے خرچ کر کے ہزاروں دلوں کی دعائیں اور بے انداز نیکیوں کا اجر حاصل کیا جا سکتا تھا مگر انسان اتنا بے اعتماد ہو چکا ہے کہ اسے خالق کائنات کے وعدوں پر بھی اعتبار نہیں رہا۔"

"کیا بات ہے۔" شریف نے حیرت سے شہزادے کی طرف دیکھا "آج آپ بڑی سنجیدگی سے باتیں کر رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" شہزادے نے ٹالنے کے انداز میں کہا "ہم اس فنکشن کے بعد

ایک اس سے بھی بڑا فنکشن کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" شریف نے چونک کر پوچھا۔

"حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔" شہزادے نے جواب دیا "ابا حضور کا قول
کہ لیڈر کی زبان کھانے کی اور دکھانے کی اور۔ جس بات کی دوسروں کو تلقین کرے
اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ سمجھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر دوسروں کو نصیحت ک
سے ایک فرد نے بھی اس پر عمل کر لیا تو گویا نصیحت کرنے والے کی بے عملی کا کفا
ادا ہو گیا اور اگر خوش قسمتی سے ایک سے زیادہ پیروسیر آ گئے تو ثواب کا کھاتہ بھی شہ
ہو گیا۔ ہم اب تک اس قسم کے فنکشنوں کی برائی اسی لیے کرتے رہے ہیں کہ آج کل جب
الیکشن قریب ہیں ہمارے لیڈر بننے کا بہترین موقع ہے اور اس طرح ہمیں کچھ رہبر
مل جائے گی۔"

شریف نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"مگر آپ کو لیڈر بننے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "آپ کے
گھر میں پہلے ہی خدا کا دیا بہت کچھ ہے۔"

"لیڈر کو صرف دولت ہی کا لالچ تو نہیں ہوتا۔"

"مرتبہ کا ہوتا ہے، تو آپ ماشاء اللہ شہزادے ہیں۔"

"ہاں مگر اب ہم اس شہزادگی سے تنگ آ چکے ہیں جس کے سر پہ شادی کی تلوا
لٹک رہی ہے۔" شہزادہ نے جواب دیا اور بے چینی سے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی"
آج ہماری گھڑی کچھ تیز ہے یا ٹرین کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم اس کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"واقعی۔" شریف نے بھی پلیٹ فارم پر لگے کلاک کو دیکھتے ہوئے جواب دیا "
بجکر پندرہ منٹ ہو چکے ہیں اور ابھی تک ٹرین کا پتہ نہیں۔"

"آؤ ذرا اسٹیشن ماسٹر سے معلوم تو کر لیں۔" شہزادہ علی نے اسٹیشن ماسٹر کے آ
کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

"چلئے۔" شریف نے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

اسٹیشن ماسٹر صاحب ایک نہایت منحنی دبلے پتلے انسان ثابت ہوئے جو فون کا چونگا
کان سے لگائے کسی سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔

"حیرت ہے۔" شہزادے نے شریف کے کان میں سرگوشی کی "اتنے بڑے اسٹیشن
کا اتنا چھوٹا سا اسٹیشن ماسٹر۔"

"ممکن ہے اسٹیشن ماسٹر نہ ہوں۔" شریف نے آہستہ سے جواب دیا "اسسٹنٹ
سٹیشن ماسٹر ہوں۔"

اتنی دیر میں اسٹیشن ماسٹر صاحب گفتگو سے فارغ ہو کر رسیور رکھ چکے تھے۔

"فرمائیے۔" انہوں کی شریف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چونکہ یہ صرف سارجنٹ ہیں اس لیے ان کا کام صرف عرض کرنا ہے۔" جواب شہزادے
نے دیا "فرمانا ہم جیسے شہزادوں کی عادت ہوتی ہے۔"

"تو آپ ہی فرمائیے۔" اسٹیشن ماسٹر صاحب کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ
نمودار ہوئی۔

"یہ ٹرین ڈاؤن کتنی ڈاؤن ——— ہمارا مطلب ہے کتنی لیٹ ہے۔" شہزادے
نے پوچھا۔

"صرف پندرہ منٹ۔" اسٹیشن ماسٹر نے جواب دیا۔

"عادتاً یا آج اتفاق سے لیٹ ہو گئی ہے۔"

"اتفاق ہی کہئے۔" اسٹیشن ماسٹر نے بتایا "پچھلے اسٹیشن کریم آباد پر نئی لائن ڈالی
جا رہی ہے۔ وہاں مزدوروں میں سے کسی کی لاپرواہی سے گڈز شیڈ میں رکھی ہوئی روئی
کی گانٹھوں میں آگ لگ گئی اس وجہ سے دیر ہو گئی ورنہ ٹرین وہاں تو رائٹ ٹائم ہی
پہنچی تھی۔ میں ابھی وہیں بات کر رہا تھا۔ چل دی ہے بس ایک دو منٹ میں پہنچنے والی
ہوگی۔"

"شکریہ۔" شریف نے جواب دیا۔

شہزادہ علی اور شریف آفس سے باہر دوبارہ پلیٹ فارم پر آ گئے۔

"یہ تمہاری مس زنار بہت خوب صورت ہیں کیا؟" شہزادے نے پوچھا۔

"آپ مسلسل ان کا نام غلط لے رہے ہیں،" شریف نے جواب دیا "ان کا نام مس گلنار ہے۔"

"گلنار ہی سہی۔ بات کا جواب تو دو۔"

"اخبارات میں جو تصویریں آتی ہیں ان سے تو یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ بہت خوبصورت لڑکی ہے،" شریف نے جواب دیا "مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ہم سوچ رہے تھے کہ ایسا تو نہیں کہ مزدور بیچارے مفت میں مورد الزام ٹھہرائے جا رہے ہوں اور آگ مس گلنار کے حسنِ جہاں سوز نے لگائی ہو،" شہزادے نے جواب د

"شریف نے ایک قہقہہ لگایا۔ وہ جواب بھی دینا چاہتا تھا کہ اسی وقت پلیٹ فا پر اِس سرے سے اُس سرے تک ایک ہلچل سی مچ گئی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو تھرمین ڈا کا دیو ہیکل ڈیزل انجن پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ شہزادہ علی شریف کا ہاتھ پکڑ تھرڈ اور انٹر کلاس کی بوگیوں کی طرف لپکا۔

"یہ آپ کہاں دیکھ رہے ہیں،" شریف نے پوچھا "ملک کی مشہور رقاصہ تھرڈ کلا میں سفر کرے گی؟"

"ارے یہ آرٹسٹ لوگ بڑے کائیاں ہوتے ہیں۔ فرسٹ کلاس کے ٹکٹ کے پیسے لے کر تھرڈ یا انٹر میں سفر کرتے ہیں،" شہزادہ علی نے ایک انٹر کلاس میں جھانکتے ہو جواب دیا۔

استقبالیہ کمیٹی کے باقی ممبران بھی پوری ٹرین کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے مگر مس گلنار کسی دروازے یا کسی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ مسافر ایک ا کر کے ٹرین سے اترتے جا رہے تھے۔

"کیا معاملہ ہے،" شریف نے کچھ فکر مندی سے کہا "کہیں مس گلنار سے ٹرین م تو نہیں ہو گئی؟"

"کوئی تعجب نہیں،" شہزادے نے اثبات میں گردن ہلائی "یہ مس قسم کی لڑکیاں د سے خود بھی مس ہوتی رہتی ہیں اور خود بھی دوسروں کو مس کرتی رہتی ہیں۔"

"ایسا ہونا تو نہیں چاہیے۔ ہمیں ان کی روانگی کا تار مل چکا ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں ٹرین تقریباً خالی ہو گئی۔ استقبالیہ کمیٹی کے ممبران بھی شریف اور شہزادے کے پاس جمع ہو گئے۔

"مس گلنار تو آئیں نہیں۔ اب کیا کیا جائے شریف صاحب؟" ایک صاحب نے بڑی مایوسی سے پوچھا۔

"ہمارا خیال ہے کہ ایک مرتبہ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ بھی دیکھ لیے جائیں،" شہزادہ علی نے جواب دیا "ممکن ہے مس گلنار دوسرے فنکاروں سے زیادہ ایماندار ہوں۔"

ٹرین کے آخری ڈبے سے دیکھنا شروع کیا گیا مگر مس گلنار کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ آخری کمپارٹمنٹ آ گیا۔

"ارے یہ تو اندر سے بند ہے،" شریف نے چونکتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے شریف صاحب،" ایک ممبر نے آہنی ڈنڈے میں بندھے ہوئے ایک کارڈ کو پڑھتے ہوئے کہا "مس گلنار کے لیے اسی ڈبہ میں سیٹ ریزرو کی گئی ہے ان کے نام کی چٹ لگی ہے۔"

"کہیں مس گلنار اندر سو تو نہیں رہی ہیں؟" دوسرے صاحب نے خیال ظاہر کیا۔

شریف نے دروازے پر دستک دی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ کھڑکیاں بند تھیں اس لیے جھانک کر بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

"میں دوسری طرف سے جا کر دیکھتا ہوں،" شریف نے کہا اور قریب کے ڈبہ میں گھس کر دوسری طرف اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی شہزادہ علی اور دوسرے لوگ بھی دوسری طرف چلے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس طرف کی کھڑکیاں بھی بند ہیں مگر دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سب سے پہلے اندر داخل ہونے والوں میں شہزادہ علی کا نمبر پہلا تھا مگر اندر قدم رکھتے ہی وہ یکبارگی رک گیا۔ سامنے سیٹ پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا اور سیٹ کے برابر تقریباً متوازی حالت میں مس گلنار ڈبے کے فرش پر اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ اس کا خوبصورت

چہرہ اور ہلکے سنہری بال خون میں لتھڑے ہوئے تھے اور بائیں کنپٹی پر ایک کافی بڑا گول سوراخ صاف نظر آ رہا تھا جس سے نکلنے والا خون ابھی ٹھیک سے جما بھی نہیں تھا۔

شہزادہ علی، سارجنٹ شریف یا اس کے بعد آنے والے استقبالیہ کمیٹی کے کسی ممبر کو بہ دیکھنے کے لیے قریب جانے کی ضرورت نہیں تھی کہ ملک کی مشہور ڈانسر مس گلنار کا تھرکتا ہوا جسم اب ہمیشہ کے لیے ساکت ہو چکا ہے۔

O

شہزادہ علی اور سارجنٹ شریف کو موجود دیکھ کر انسپکٹر مولا بخش کی تیوری پر بل پڑ گئے مگر وہ منہ سے کچھ کہے بغیر آگے جھک کر لاش کو دیکھنے لگا۔ پولیس سرجن بھی اس کے ساتھ تھا اور فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے تین کارکن بھی اپنا فرض انجام دے رہے تھے۔ گلنار کی لاش دیکھتے ہی سارجنٹ شریف نے اسٹیشن ماسٹر سے کہہ کر ڈبے کے چاروں طرف ریلوے پولیس کا پہرہ لگوا دیا تھا۔ ٹرین کے گارڈ اور دو ٹکٹ چیکروں کو اسٹیشن ماسٹر کے آفس میں موجود رہنے کی ہدایت دیتے ہوئے اس نے ہیڈ کوارٹر فون کر کے اس واردات کی رپورٹ کی، جہاں سے انسپکٹر مولا بخش کو تفتیش کے لیے بھیجا گیا تھا۔

"آپ لوگوں کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی۔" مولا بخش سرجن کو لاش کا معائنہ کرتے چھوڑ کر شریف اور شہزادہ کی طرف متوجہ ہوا "تعجب کی بات ہے اب لوگ اپنے تھانے یا پولیس ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنے کے بجائے کیپٹن شہزاد کو فون کرنے لگے ہیں۔ یہ لڑکی ہے کون۔"

"مس گلنار مشہور ڈانسر۔" شہزادہ علی نے جواب دیا۔

"خوب تو آپ لاش کی شناخت بھی کرا چکے ہیں۔" مولا بخش نے طنز کیا "پھر تو کیس بھی آپ ہی سنبھال لیتے۔"

"دماغ کو ٹھنڈا رکھ کر بات کیجئے انسپکٹر صاحب۔" شریف سے زیادہ ضبط نہیں ہو سکا۔

مس گلنار کو ریسیو کرنے آئے تھے۔ وہ نیشنل آرٹ سرکل کی دعوت پر یہاں ایک چیریٹی فنکشن میں شریک ہونے آئی تھیں۔ شہزادہ علی اس استقبالیہ کمیٹی کے صدر ہیں جس کے اہتمام میں فنکشن ہونے والا تھا۔"

"خوب خوب تو آجکل شہزادہ علی کی مصروفیات یہ ہیں۔" مولا بخش نے شرمندہ ہوئے بغیر کہا۔

"کیا کریں انسپکٹر صاحب۔ یہ پاپی پیٹ بھرنے کے لیے کوئی دھندا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔" شہزادے نے جواب دیا "بڑی کوشش کی مگر نہ کوئی محکمہ ہمیں مفت کی روٹیاں توڑنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ کوئی ایسی سروس ملتی ہے جس میں تنخواہ سے زیادہ بالائی آمدنی ہو اور ہم بھی دس پندرہ سال کی سروس میں دس پندرہ ٹیکسیاں اور اتنی ہی دوسری جائداد بنا سکیں۔"

انسپکٹر مولا بخش کا چہرہ سرخ ہو گیا مگر وہ کوئی جواب دینے کے بجائے پولیس سرجن کی طرف گھوم گیا جو لاش کا معائنہ کرنے کے بعد اٹھ کر اسی کی طرف آ رہا تھا۔

"میں نے اب تک ایسے عجیب ہتھیار سے ابھی تک کسی کو مقتول ہوتے نہیں دیکھا۔" سرجن نے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاتل نے کوئی لوہے کی مخروطی سلاخ استعمال کی ہے جس کا قطر کم سے کم ڈیڑھ انچ ضرور تھا۔ زیادہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ اس سلاخ کی لمبائی کتنی تھی۔ البتہ یہ مقتولہ کے سر میں تقریباً تین چار انچ گہری چلی گئی ہے۔"

"لوہے کی مخروطی سلاخ۔" مولا بخش چونکا۔

"جی ہاں۔ اور میرا خیال ہے کہ پہلے قاتل نے مقتولہ کی داہنی کنپٹی پر کسی کند ہتھیار مثلاً لکڑی کی چھڑی وغیرہ سے ضرب ماری اور جب مقتولہ یہ چوٹ کھا کر گر گئی تو اس کی بائیں کنپٹی پر اسی سلاخ سے پوری طاقت سے وار کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ ضرب ایسی تھی کہ موت فوراً واقع ہو گئی ہو گی اور ابھی تک جسم میں کسی نہ کسی قدر حرارت کا موجود ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ موت واقع ہوئے چالیس پینتالیس منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے۔"

"ایک بات تو بتائیے سرجن صاحب۔" شہزادہ علی نے لاش کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

"ضرور پوچھئے۔" پولیس سرجن شہزادہ علی سے بخوبی واقف تھا اور صرف واقف ہی نہیں بلکہ مختلف کیسوں میں اس نے پولیس کی جو مدد کی تھی اسے بھی جانتا تھا۔

"آپ نے بائیں کنپٹی پر اس سوراخ سے نکلنے والی یہ لکیر دیکھی جو آنکھ تک چلی جا[ئے] بلکہ ایک حد تک اس نے آنکھ کو بھی زخمی کر دیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"یہ کیسے لگ سکی ہوگی۔" شہزادہ نے کہا "ہمارا مطلب ہے ——————"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔" سرجن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "لیکن اس سلسلہ میں کوئی یقینی بات کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاتل نے وار کیا ہو اور پہلی مرتبہ سلاخ پھسل گئی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ قتل کرنے کے بعد جب قاتل نے سلاخ سر سے نکالنا چاہی تو زور لگانے کی وجہ سے سلاخ نکلتے وقت آنکھ کی طرف بھی چلی گئی ہو۔"

مولابخش اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے اسے یہ سوال انتہائی احمقانہ نظر آ رہا ہو۔

"اچھا سرجن صاحب تفصیلی رپورٹ تو آپ ظاہر ہے پوسٹ مارٹم کے بعد ہی [دیں گے]" اس نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا "ایمبولینس آ گئی ہو تو آپ لاش ہسپتال لے جائیں۔"

وہ فوٹوگرافر کی جانب گھوما۔

"تمام ضروری فوٹو لے لیے نا؟" اس نے پوچھا۔

"یس انسپکٹر۔" فوٹوگرافر نے ایک اور فلش بلب چمکاتے ہوئے جواب دیا۔

"اور فنگر پرنٹ۔" مولابخش ان دو کارکنوں سے مخاطب ہوا جو ڈبہ میں جگہ جگہ پوڈر چھڑک کر انگلیوں کے نشانات ابھار کر ٹرانسپیرنٹ ٹیپ پر محفوظ کرتے جا رہے تھے۔

"بے شمار نشانات ہیں۔" ایک کارکن نے جواب دیا "ظاہر ہے ریلوے کمپارٹمنٹ میں یہ ہی توقع کی جا سکتی ہے۔ بہرحال میں تازہ نشانات لے رہا ہوں جن میں کم سے کم نشانات بہت واضح ہیں۔ ایک تو مقتولہ کے ہیں اور ایک کسی مرد کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہت خوب۔" مولابخش نے پلٹ کر شریف کی طرف دیکھا "آپ نے اس ڈبہ سے کسی مرد کو بھی اترتے دیکھا تھا؟"

"نہیں۔" شریف نے جواب دیا "پلیٹ فارم کی جانب کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ہم لوگ دوسری جانب سے گھوم کر اندر داخل ہوئے ہیں۔ اس طرف دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن تمام کھڑکیاں اسی طرح بند تھیں جس طرح آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں۔"

مولابخش نے سر ہلایا اور غور سے ڈبے میں ادھر ادھر دیکھا۔ گلنار کے ساتھ بڑا مختصر سا سامان تھا۔ ایک ہولڈال اور ایک بڑا سوٹ کیس۔ ایک لیڈیز ہینڈ بیگ جو برتھ پر رکھا تھا۔ دو چار فلمی رسالے اور ایک رومانی ناول۔ مولابخش نے پہلے بیگ کھول کر دیکھا۔ عورتوں کی عام ضروریات کی چیزوں کے علاوہ اس میں تقریباً چار سو روپیہ کے چھوٹے بڑے نوٹ تھے مگر ریزگاری بالکل نہیں تھی۔ سوٹ کیس میں کئی بیش قیمت ملبوسات اور زیورات کے بکس رکھے تھے۔ بکس کھول کر دیکھے گئے تو زیورات بھی موجود تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ قتل کسی مالی فائدے کے لیے نہیں کیا گیا۔" مولابخش نے پُراہمیت انداز میں کہا "ویسے اس قسم کی عورتوں کے بارے میں میرا اب تک تجربہ یہ ہی ہے کہ وہ ذاتی رشک و رقابت کے لیے قتل کی جاتی ہیں۔"

"بجا ارشاد ہوا۔" شہزادہ علی نے بڑی سنجیدگی سے سر ہلایا۔ اس کا لہجہ بھی ایسا تھا جس سے کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے یہ بات مولابخش کی تائید میں کہی ہے یا طنزیہ۔

"ٹرین سٹی اسٹیشن پہنچنے سے پہلے مضافاتی اسٹیشن کریم آباد رُکتی ہے۔" مولابخش نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کریم آباد کا فاصلہ وقت کے اعتبار سے بہ مشکل آٹھ منٹ کا ہے۔ ٹرین کو پلیٹ فارم پر آنے اور آپ لوگوں کو لاش دریافت کرنے میں بھی کم سے کم آٹھ دس منٹ ضرور لگے ہوں گے۔ دس منٹ بعد میں یہاں پہنچ گیا تھا۔ یہ ہوئے تقریباً تیس منٹ۔ اب اگر سرجن صاحب کے اندازے کے مطابق موت اب سے پچیس منٹ پہلے واقع ہوئی ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ مقتولہ کو گڑھ والی اور کریم آباد کے درمیان کہیں قتل کیا گیا کیونکہ کریم آباد سے پچھلا اسٹیشن گڑھ والی ہی ہے۔"

مولابخش نے اپنے منطقی طرزِ استدلال پر داد خواہانہ انداز سے شریف کی طرف دیکھا۔

"ہم اگر تمہاری جگہ تحقیقات کر رہے ہوتے تو کوئی اندازہ لگانے سے پہلے کریم آباد سے یہ ضرور معلوم کرتے کہ ٹرین وہاں کتنی دیر رکی تھی۔" شہزادہ علی نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں وہاں ٹرین صرف دو منٹ رکتی ہے۔" مولا بخش نے اپنی وسعت معلومات کا مظاہرہ کیا۔

"آپ کی وسیع معلومات حیرت انگیز ہیں۔" شہزادہ علی نے جواب دیا "مگر اسٹیشن ماسٹر صاحب نے ہمیں بتایا تھا کہ ٹرین کریم آباد کے گڈز شیڈ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے تقریباً دس منٹ وہاں کھڑی رہی تھی۔"

"کیا" مولا بخش نے شہزادہ کو گھورا۔

"مجبوری ہے۔" شہزادہ علی نے کندھے جھٹکے۔ شریف اپنی مسکراہٹ چھپانے کیلئے دوسری طرف گھوم گیا۔

"میں اسٹیشن ماسٹر کے پاس جا رہا ہوں۔" مولا بخش نے گھوم کر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا "ایمبولینس آ گئی ہو تو لاش ہسپتال بھجوا دو اور اپنا کام ختم کر کے اس کمپارٹمنٹ کو سیل کر دو۔"

"بہت بہتر۔" ایک کارکن نے جواب دیا۔ مولا بخش شہزادہ علی یا سارجنٹ شریف کی طرف دیکھے بغیر ڈبے سے نیچے اتر گیا۔

"آپ بھی چل رہے ہیں۔" شریف نے شہزادہ علی سے پوچھا۔

"دل تو چاہتا ہے مگر انسپکٹر صاحب برا مان جائیں گے۔" شہزادہ نے جواب دیا "اگر کہیں انہوں نے گیٹ آؤٹ کہہ دیا تو ہم نے تو اپنی عزت کا بیمہ بھی نہیں کرایا ہے کہ انشورنس کمپنی سے کلیم کر سکیں۔"

"آپ آئیے تو سہی۔ میری موجودگی میں آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔" شریف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جس وقت شہزادہ علی اور شریف اسٹیشن ماسٹر کے آفس میں داخل ہوئے تو مولا بخش ٹرین کے گارڈ سے سوالات کر رہا تھا۔

"آپ کا ڈبہ ٹرین کے تقریباً درمیان میں ہوتا ہے۔ کیا آپ نے کریم آباد اسٹیشن پر کسی شخص کو مقتول کے ڈبے سے اترتے دیکھا تھا۔"

"کریم آباد میں تو نہیں البتہ گڑھ والی میں نواب زادہ فصاحت علی خاں کو ضرور اترتے دیکھا تھا۔ وہ اس ڈبے سے اتر کر دوسرے فرسٹ کلاس ڈبے میں بیٹھ گئے۔" گارڈ نے جواب دیا۔

"نواب زادہ فصاحت علی خاں۔" مولا بخش نے دلچسپی سے پوچھا "یہ کون بزرگ ہیں۔"

"مرشد آباد کے امراء میں سے ہیں۔" گارڈ نے بتایا "ان کے بڑے بھائی نواب زادہ ہدایت علی خاں نہ صرف ایک بڑے سرمایہ دار بلکہ مرشد آباد میونسپل کارپوریشن کے چیئرمین بھی ہیں۔"

"آپ انھیں کیسے جانتے ہیں۔"

"اس لیے کہ میں خود بھی مرشد آباد کا رہنے والا ہوں۔"

"خوب۔" مولا بخش نے اپنی نوٹ بک میں لکھتے ہوئے کہا "تو فصاحت علی خاں مقتول کے ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔" گارڈ نے جواب دیا "میں نے انہیں مرشد آباد میں سوار ہوتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ یوں کہیے کہ جب انھیں گڑھ والی پر اترتے دیکھا تو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ بھی ٹرین میں سفر کر رہے ہیں۔"

"آپ میں سے کوئی صاحب بتا سکتے ہیں کہ نواب زادہ صاحب گلنار کے ڈبے میں سفر کر رہے تھے یا نہیں۔" مولا بخش دونوں ٹکٹ چیکروں کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی ہاں۔" ایک ٹکٹ چیکر نے جواب دیا "میں نے دیکھا تھا۔"

"کیا وہ مرشد آباد سے اسی ڈبہ میں سوار ہوئے تھے۔"

"جی ہاں اگرچہ ان کی سیٹ دوسرے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں تھی مگر وہ اپنے

سامان کے ساتھ مس گلنار کے ڈبہ میں ہی سفر کر رہے تھے؟"

"گلنار نے اس پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟"

"کم سے کم مجھ سے تو نہیں کیا۔"

"ان کے علاوہ ڈبے میں کوئی اور مسافر بھی تھا۔"

"جی نہیں۔"

"گارڈ صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے گرڈالی میں نواب زادہ کو مقتولہ کے ڈبے سے اتر کر دوسرے ڈبہ میں سوار ہوتے دیکھا تھا۔" مولا بخش نے پوچھا "آپ اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں؟"

"جی ہاں میں نے بھی انہیں اترتے دیکھا تھا۔" ٹکٹ چیکر نے جواب دیا۔

"آپ کو اس کے بعد مقتولہ کے ڈبے میں دیکھنے کا اتفاق ہوا؟"

"جی نہیں۔"

"آپ بتا سکتے ہیں کہ جب نواب زادہ فصاحت علی ڈبے سے اترے تو اپنا سامان انہوں نے خود اتارا تھا یا کسی قلی نے؟" یہ سوال شہزادہ علی نے کیا تھا۔

"ان کے پاس کچھ ایسا زیادہ سامان ہی نہیں تھا۔" گارڈ نے بتایا "ایک بڑا کینوس کا اسٹینڈ ایک بیگ جو گلے میں لٹکا ہوا تھا اور ایک بڑی چھتری وہ جسے زمین میں لگا اس کے سائے میں بیٹھتے ہیں۔"

مولا بخش جو شہزادہ علی کے سوال کو بالکل لغو خیال کر رہا تھا۔ سوال کے اس جواب پر اسے بھی چونکنا پڑا۔

"آپ کا مطلب ہے وہ چھتری جس کے ڈنڈے میں ایک لمبی سی مخروطی لوہے کی شام لگی ہوتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں!" ٹکٹ چیکر کو مولا بخش کے اس طرح چونکنے پر حیرت تھی۔

"ایک بات اور۔" شہزادہ علی نے دوسرا سوال کیا "آپ بتا سکتے ہیں کہ کیا گلنار اپنے ڈبہ کی تمام کھڑکیاں بند کر کے سفر کر رہی تھی؟"

"جی نہیں۔ میں نے جب دیکھا تھا تو تمام کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔"

"نواب زادہ فصاحت علی کے اترنے کے بعد بھی آپ نے غور کیا تھا کہ کھڑکیاں بند ہیں یا کھلی ہوئی۔"

"جی نہیں۔ میں دوسرے ڈبہ میں تھا۔" ٹکٹ چیکر نے جواب دیا "فصاحت صاحب کو بھی بس اتفاق سے ہی دیکھ لیا تھا۔"

"ٹرین سے اترتے وقت وہ کچھ گھبرائے ہوئے یا پریشان تو نظر نہیں آرہے تھے؟" اس مرتبہ مولا بخش نے سوال کیا تھا۔

"میں نے غور نہیں کیا۔" ٹکٹ چیکر نے جواب دیا۔

"اور آپ نے؟" مولا بخش گارڈ کی طرف گھوم گیا۔

"میں بھی کچھ دور تھا۔" گارڈ صاحب نے بتایا "مگر ان کے چلنے کے انداز اور چہرے کے تاثرات سے میرا خیال ہے کہ وہ خوشگوار موڈ میں بہرحال نہیں معلوم ہوتے تھے۔"

"آپ اس بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ڈبہ میں وہ ایک دوسرے سے واقف اور شناسا لوگوں کی طرح سفر کر رہے تھے یا ان کے باہمی طرزِ عمل سے اجنبیت کا احساس ہوتا تھا؟" شہزادہ علی نے پھر ایک سوال کیا۔

"اس سلسلہ میں آپ ڈائننگ کار کے بیرے سے معلوم کریں تو زیادہ بہتر ہے۔" ٹکٹ چیکر نے جواب دیا "میں کسی بھی موقع پر ڈبے کے اندر نہیں گیا تھا۔ صرف سامنے سے گزرتے ہوئے ہی ایک دو مرتبہ جھلک دیکھی تھی۔ ویسے وہ ہر مرتبہ ایک ہی برتھ پر بیٹھے ہوئے باتیں کرتے نظر آئے۔"

مولا بخش ایک کانسٹیبل کی طرف گھوما جو آفس کے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

"شبیر محمد۔" اس نے کہا "ذرا ڈائننگ کار کے اس بیرے کو بلا کر لاؤ جس نے مقتولہ گلنار کو سرو کیا ہو۔"

شبیر محمد نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سارجنٹ شریف

جواب تک کی کارروائی کو بڑی خاموشی سے سُنتا رہا تھا، شہزادہ علی سے سرگوشیوں میں کچھ باتیں کرنے لگا۔ مولابخش نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگایا اور کش لگاتے ہُوئے آفس میں ادھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے ہیرے کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب، گارڈ اور دونوں ٹکٹ چیکر صاحبان کرسیوں پر بیٹھے کبھی مولابخش کو دیکھنے لگتے اور کبھی آہستہ آواز میں ایک دوسرے سے کچھ باتیں کرنے لگتے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد شیر محمد ہیرے کے ساتھ واپس آیا۔ ہیرے کے چہرے سے سراسیمگی ظاہر تھی۔ اس نے مولابخش کو سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" مولابخش نے اسے تسلی دی "تم سے صرف چند سوالات پوچھنا ہیں۔ ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔"

"اچھا مائی باپ۔"

"تم نے مقتولہ کو چائے یا کھانا وغیرہ سرو کیا تھا۔"

"مجھے ان کا نام تو نہیں معلوم حضور" ہیرے نے جواب دیا "مگر عبدل کہہ رہا تھا کہ وُہ کوئی بہت بڑی ناچنے گانے والی ہیں۔ فلموں میں بھی کام کرتی ہیں۔ وہ کوئی اور نام بھی بتا رہا تھا۔"

"گلنار" مولابخش نے بتایا۔

"جی ہاں حضور یہ ہی نام تھا۔ گلنار۔"

"تم وہاں کیا لے کر گئے تھے۔"

"چائے کیک پیسٹری وغیرہ۔"

"ایک کپ یا دو کپ۔" مولابخش نے پوچھا۔

"دو اسپیشل چائے۔" ہیرے نے جواب دیا۔

"جب تم گئے تو وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔"

"جی حضور باتیں کیا کر رہے تھے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔" ہیرے نے بیان کیا۔

"اچھا" مولابخش نے دلچسپی سے پُوچھا "کس بات پر۔"

"یہ مجھے پتہ نہیں حضور۔ میں جب مرید پور چائے کی ٹرے لے کر گیا تب بھی وہ انہیں دیکھ کر چپ ہو گئے اور جب دوبارہ گڑوالی پر برتن لینے گیا تب بھی وُہ مجھے آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔"

"تو تم نے کچھ بھی نہیں سنا۔"

"سُنا تو کچھ بھی نہیں مگر حضور دونوں مرتبہ کسی لاکٹ وغیرہ کا نام سننے میں آیا تھا۔"

"لاکٹ" مولابخش نے چونک کر سارجنٹ شریف اور شہزادہ علی کی طرف دیکھا "غالباً مقتولہ کے زیورات میں کوئی لاکٹ تو شامل نہیں ہے۔"

"کم سے کم میں نے تو نہیں دیکھا" شریف نے جواب دیا۔

"ایک لاکٹ تو میں نے اس کے گلے میں پڑا دیکھا تھا۔" ٹکٹ چیکر بول اٹھا۔

"میں نے بھی دیکھا تھا حضور۔" ہیرے نے جلدی سے کہا۔

"کب دیکھا تھا۔" مولابخش نے تیزی سے پُوچھا۔

"جب میں پہلی مرتبہ چائے لے کر گیا تھا۔"

"کیا وہ اس وقت بھی اس کے گلے میں تھا جب تم آخری مرتبہ چائے کے خالی برتن لینے گئے تھے۔"

"اس وقت میں نے غور نہیں کیا تھا حضور۔"

"جب تم برتن لینے گئے تو وہ صاحب تھے۔"

"جی ہاں تھے۔"

"گویا وہ تمہارے سامنے نہیں اترے۔"

"جی نہیں۔"

"ڈبے کی کھڑکیاں اس وقت بند تھیں یا کھلی ہوئی۔" یہ سوال شہزادہ علی نے پُوچھا۔

"کھلی ہوئی تھیں حضور۔" ہیرے نے جواب دیا۔

"ہمیں دوبارہ جا کر لاکٹ دیکھنا پڑے گا۔" شریف نے کہا "مجھے اچھی طرح یاد ہے

کہ گلنار کے گلے میں کوئی لاکٹ نہیں تھا اور زیورات کے بکس میں بھی گلے میں پہننے والی
کوئی چیز نہیں تھی۔"

سب لوگ اسی وقت اس کمپارٹمنٹ میں واپس گئے اسے باقی ٹرین سے کاٹ
ایک طرف سائڈنگ پر لے لیا گیا تھا۔ سیل بھی لگا دی گئی تھی۔ ایک کانسٹبل نگرانی کر رہا تھا
مولا بخش نے سیل توڑی اور دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ گلنار کی لاش لے جائی جا چکی
مگر دوسرا سامان بالکل اسی طرح رکھا ہوا تھا۔ مولا بخش نے جلدی سے سوٹ کیس کھول
اسے فرش پہ الٹ دیا۔ ایک بکس اور پھر ایک ایک کپڑے کو دیکھا گیا مگر لاکٹ اگر کو
تھا تو اب غائب ہو چکا تھا۔

باب ۲

سب لوگ ایک مرتبہ پھر اسٹیشن ماسٹر کے دفتر میں آ گئے۔

"وہاں کوئی لاکٹ نہیں ہے۔" مولا بخش نے بتایا اور پھر بیرے سے پوچھا "بتا سکتے ہو کہ
وہ لاکٹ کس طرح کا تھا۔"

"حضور سونے کا بنا ہوا تھا۔" بیرے نے جواب دیا "ایک لمبی سی چین میں پان کی شکل
کا تعویذ سا لٹکا ہوا تھا۔ پان پر کوئی بچہ سا بنا تھا اور بہت سے رنگین نگ لگے ہوئے تھے۔"

"آپ اس کی تائید کرتے ہیں۔" مولا بخش ٹکٹ چیکر کی طرف گھوما۔

"جی ہاں۔ اس اضافے کے ساتھ کہ دراصل وہ پان نہیں دل کی شکل کا تھا۔ اس پر
خوبصورت نگوں کے ساتھ کیوپڈ کی تصویر بنی تھی۔"

"خوب۔ آپ نے تو بڑی بڑی باریکی سے دیکھا تھا۔" مولا بخش نے طنزیہ لہجہ میں کہا
اس پر چیکر صاحب کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔

"یہ تو تم بالکل نہیں بتا سکتے کہ ان کے درمیان جھگڑا کس بات پہ ہو رہا تھا۔" شریف نے
بیرے سے سوال کیا۔

"سنا تو نہیں مگر حضور مجھ سے پوچھیں تو ضرور لاکٹ ہی پہ ہو رہا ہوگا۔"

"چائے کا آرڈر کس نے دیا تھا۔" شریف نے دوسرا سوال کیا۔

"بی بی جی نے۔"

"پیسے بھی انہوں نے ہی دیئے تھے۔"

"وہ ہی دینا چاہتی تھیں مگر صاحب نے غصہ سے کہا شکریہ میں اپنی چائے کے
پیسے بھی دے سکتا ہوں اور یہ کہہ کر پانچ روپیہ کا نوٹ ٹرے میں زور سے پھینک دیا۔" بیرے

نے جواب دیا۔

مولا بخش نے شہزادہ علی کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے شہزادہ ہونے کی وجہ سے آپ کو تمام نواب زادوں سے واقف ہونا چاہیے۔" اس نے کہا "کیا آپ نے سٹی اسٹیشن پر فصاحت علی کو اترتے دیکھا تھا۔"

اس سے پہلے کہ شہزادہ علی کوئی جواب دیتا ٹکٹ چیکر صاحب بول اٹھے۔

"مگر میں نے شاید آپ کو بتایا تو تھا کہ وہ کریم آباد میں ٹرین سے اتر گئے تھے۔"

"اچھی بات ہے۔" مولا بخش نے اپنی نوٹ بک بند کرتے ہوئے کہا "سردست آپ لوگوں سے کوئی اور سوال نہیں کرنا چاہتا لیکن پہلی فرصت میں آپ سب ہیڈ کوارٹر آ کر جو کچھ آپ نے بتایا ہے اسے بیان کی صورت میں تحریر کرا دیں۔"

وہ اسٹیشن ماسٹر کی طرف گھوما۔

"میں نے وہ ڈبہ جس میں لاش پائی گئی تھی سیل کرا دیا ہے اور اسے سائیڈنگ پر لے گیا ہے۔" اس نے کہا "آپ اسے اسی طرح رہنے دیں گے۔ میں سردست کریم آباد جا رہا ہوں، وہاں سے فارغ ہونے کے بعد سوچوں گا کہ اس کا کیا کیا جائے۔"

"بہت اچھا۔" اسٹیشن ماسٹر صاحب نے جواب دیا۔

مولا بخش آفس سے باہر نکلا تو شریف اور شہزادہ علی بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ اپنی [کار] کی طرف بڑھا تو وہ بھی اس کے پیچھے چلے۔ مولا بخش نے انھیں گھور کر دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب آپ لوگ جا کر آرام کریں۔" وہ بولا "میں تفتیش کر ہی رہا ہوں۔ آپ کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہم آپ کی تحقیقات میں حارج ہونا نہیں چاہتے۔" شریف نے جواب دیا "صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے چل رہے ہیں۔"

"جیسی آپ کی خوشی۔" مولا بخش نے کندھے اچکائے اور کار میں بیٹھ گیا "آپ تو [؟] اپنی کار میں ہی جائیں گے۔" اس نے شہزادہ علی سے پوچھا

"ارے وہ ہمارا چھکڑا آپ کی شاندار کار کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔" شہزادہ نے ا[؟]

ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا "رفتار کا حال یہ ہے کہ ساتھ ساتھ چلیں تو [کری]م آباد پہنچ کر آپ حیرت ہی کرتے رہ جائیں گے کہ ہم کہاں رہ گئے۔"

"اب اتنی بھی کم رفتار کیا ہو گی۔" مولا بخش نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور ہم۔" شہزادہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "کریم آباد سے ہو کر واپس گھر [ب]ھی پہنچ چکے ہوں گے۔"

شریف نے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔ مولا بخش کا منہ بن گیا۔

"تم ہنسے کیوں۔" شہزادہ نے شریف کو حیرت سے دیکھا "کیا ہم نے کوئی دلچسپ بات [کہ]ہ دی تھی۔"

ظاہر ہے کہ اس پر شریف کو دوبارہ ہنسی آ گئی۔ یہاں تک کہ مولا بخش بھی زیر لب مسکرانے لگا۔

"ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔" شہزادہ علی نے کار چلنے کے کچھ دیر بعد کہا "آپ [کری]م آباد کیوں جا رہے ہیں۔"

"واہ یہ تو بڑی موٹی سی بات ہے کہ ——————" مولا بخش نے کہنا [شرو]ع کیا۔

"کتنی موٹی۔" شہزادہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے۔" مولا بخش کھسیا کر بولا "کہ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ گلنار کی موت [ایک] مخروطی آہنی سلاخ سے ہوئی ہے اور پھر ایسی ہی ایک چیز فصاحت علی کے پاس موجود [پائی] گئی ہے۔ چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ ان دونوں کا آپس میں کسی بات پر جھگڑا بھی [ہو] رہا تھا۔ نیز گلنار کی چیزوں میں سے ایک لاکٹ گم ہے۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں [فصا]حت علی کی پوزیشن حد درجہ مشکوک ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ بات آپ کی [سمج]ھ میں نہیں آتی کہ فصاحت علی کا بیان لیے بغیر تحقیقات کی گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔"

"مگر چل تو رہی ہے۔" شہزادے نے سادگی سے کہا۔

"گویا آپ کو شبہ ہے کہ فصاحت علی نے گلنار کو قتل کیا ہے۔" شریف نے جلدی سے

کہا وہ دیکھ رہا تھا کہ مولا بخش جھلا کر کوئی سخت جواب دینا چاہتا تھا۔

"ایسی صورت میں کہ مرشد آباد سے گڑوالی تک کوئی اور مسافر اس ڈبہ میں سوار نہیں ہ
وہ دونوں ہی تنہا رہے۔ یوں بھی فصاحت سے پوچھ گچھ کرنا ضروری تھا۔" مولا بخش نے جواب

"کیا یہ کہ اس کے پاس آلۂ قتل کی موجودگی کا شک بھی پیدا ہو گیا ہے۔ میں اس سے چند
سوالات کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔"

"بالکل درست۔" شہزادہ علی نے تائید کی "آپ کا خیال سو فیصدی درست ہے۔ معلو
ہوتا ہے کہ انسپکٹر فاضل بیگ اور کیپٹن شہزاد کے ساتھ کام کرتے کرتے آپ کو بھی اچھا خاص
تجربہ ہو گیا ہے۔"

"کیا بات کرتے ہیں آپ جیسے میں پہلے تو پولیس کی سروس میں تھا ہی نہیں۔" مولا بخش
جھلا کر کہا "فاضل بیگ صاحب تو خیر مجھ سے بھی پرانے آدمی تھے مگر کیپٹن شہزاد جیسے کل کے
چھوکروں کو تو میں ابھی بارہ برس اور سکھا سکتا ہوں۔"

"ہم اس بات کی بھی سو فیصدی تائید کریں گے۔" شہزادے نے بلا تامل جواب دیا "
بار کسی مشہور فلسفی سے سوال کیا گیا کہ اس نے اتنی عقلمندی کہاں سے حاصل کی تو اس نے
جواب دیا کہ بیوقوفوں کی حماقتوں سے۔ خود ہمارے ابا حضور کا قول ہے کہ عقلمند وہ ہی
جو دوسروں کی غلطیوں سے سبق حاصل کرے۔"

"آپ سے تو بات کرنا بیکار ہے۔" مولا بخش کھسیا کر بولا اور کار کی کھڑکی سے با
جھانکنے لگا۔

کریم آباد پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ مولا بخش نے کار سے اتر
ہی اسٹیشن ماسٹر کے بارے میں معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ وہ اسٹیشن کے دوسرے عملے کے س
گودام میں آتشزدگی سے ہونے والے نقصان کا جائزہ لے رہے ہیں۔ جواب دینے
ایک قلی تھا جو اسٹیشن ماسٹر کے آفس کے سامنے بیٹھا ہوا بیڑی پی رہا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے جو ٹرین یہاں سے سٹی اسٹیشن گئی ہے تم اس وقت موجود ت
مولا بخش نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب۔" قلی نے جواب دیا۔

"ٹرین سے کتنے آدمی اترے ہوں گے۔"

"یہ ہی کوئی پندرہ بیس۔"

"تم نے دیکھا تھا کہ ان میں کوئی ایسے صاحب بھی ہیں جن کے پاس ایک لمبی سی
تی ـــــــ"

"آپ نواب زادہ صاحب کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہے ہیں۔" قلی نے
ہک کر کہا۔

"ہاں۔ تم انہیں جانتے ہو۔" مولا بخش نے دلچسپی سے پوچھا۔

"انہیں یہاں کون نہیں جانتا۔" قلی نے بتایا "تقریباً ہر دوسرے تیسرے مہینے
تی جھیل پر تصویریں بنانے آتے ہیں۔"

"اچھا تو اس مرتبہ بھی آئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"اب کہاں ہیں۔ موتی جھیل پر؟"

"جی ہاں۔" قلی نے جواب دیا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ ممکن ہے کہیں اور گئے ہوں۔"

"صاحب اول تو ان کے پاس ہمیشہ کی طرح تصویریں بنانے کا سامان موجود تھا اور
اس علاقہ میں موتی جھیل سے زیادہ اچھے منظر اور کہاں مل سکتے ہیں۔ دوسرے میں نے
کو بھی سامان اٹھائے ان کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔"

"بندو کون۔"

"ایک قلی ہے۔ نواب زادہ صاحب جب بھی آتے ہیں اسی کو اپنے ساتھ لے
ا ہیں۔"

"موتی جھیل تو بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے۔" شریف نے کہا "تمہیں معلوم ہے
اس کے کس خاص مقام پر تصویر کشی کرنے جاتے ہیں۔"

"ایک دن بندو نہیں تھا تو مجھے ان کے ساتھ جانے کا موقع ملا تھا صاحب۔" قلی نے جواب دیا "اگر وہ آج بھی وہیں گئے ہوں تو میں آپ کو چل کر دکھا سکتا ہوں۔"

"ویسے کبھی بندو نے بتایا تو ہوگا کہ وہ عام طور پر کہاں جاتے ہیں۔" شریف نے پھر پوچھا۔

"صاحب زیادہ تر تو وہ ماہی گنج ہی جاتے ہیں۔ مجھے بھی وہیں لے گئے تھے۔"

"اچھا چلو وہیں چلو۔" مولابخش نے کہا۔

"اگر وہ ماہی گنج گئے ہیں تو وہاں کا پتہ ہم بھی بتا سکتے ہیں۔" شہزادہ علی نے کہا "ہم کئی مرتبہ وہاں مچھلی کا شکار کھیلنے جا چکے ہیں۔"

"تو آپ کو مچھلی کے شکار کا بھی شوق ہے۔" شریف نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"شہزادوں کو ہر قسم کے شکار کا شوق ہوا کرتا ہے۔" مولابخش نے طنز کیا۔

"کیا واقعی؟" شریف نے شرارت سے پوچھا۔

"ہم تردید کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔" شہزادہ علی نے جیسے بڑی بیچارگی سے کہا "انسپکٹر مولابخش مدتوں ابا حضور کی اردلی میں رہ چکے ہیں۔ ان سے زیادہ معتبر راوی کون ہو سکتا ہے۔"

چوٹ کراری تھی مگر مولابخش کو برا ماننے کی گنجائش اس لئے نہیں تھی کہ پہل خود اس نے کی تھی۔ چنانچہ شریف کے ساتھ ایک زبردستی کا قہقہہ لگاتے ہی بن پڑی۔

"آپ سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔" وہ بولا "چلئے رہنمائی کیجئے۔"

ماہی گنج موتی جھیل کا وہ سرسبز و شاداب حصہ تھا جہاں دور دور سے لوگ مچھلی کا شکار کھیلنے آیا کرتے تھے۔ جھیل کے کنارے دور دور تک گھاس کے ہرے بھرے میدان جس میں حکومت کے شعبہ سیاحت کی جانب سے مصنوعی پہاڑیاں، جھرنے اور باغا لگائے گئے تھے۔ موتی جھیل تقریباً دس مربع میل کے علاقہ میں پھیلی ہوئی بہت بڑی ا گہری جھیل تھی۔ یہیں وہ ملک کا سب سے بڑا واٹر ڈسٹریبیوشن پلانٹ تھا جو گرد و پیش تین شہروں کو سیراب کرتا تھا۔

کریم آباد اسٹیشن سے ماہی گنج کا فاصلہ تقریباً دو میل تھا جسے بہت جلد طے کر لیا گیا۔ پارکنگ شیڈ میں کار کھڑی کر کے مولابخش اور شریف شہزادہ علی کے پیچھے چلتے ہوئے ماہی گنج کے خوب صورت گیٹ میں داخل ہوئے۔ مولابخش نے ایک کانسٹیبل کو گیٹ پر چھوڑ کر دوسرے کانسٹیبل کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی کچھ فاصلہ دے کر چلا آ رہا تھا۔

جھیل کے کنارے پہنچکر فصاحت علی کو تلاش کرنا کچھ دشوار ثابت نہیں ہوا۔ وہ حسب عادت آج بھی یہیں آیا تھا اور باغ کے ایک خوب صورت سے گوشے میں سایہ دار چھتری کے نیچے ایک فولڈنگ کرسی پر کینوس کے سامنے بیٹھا ہوا تیزی سے برش چلا رہا تھا۔ کچھ لوگ اس کے چاروں طرف کچھ فاصلے سے کھڑے ہوئے اسے تصویر بناتے دیکھ رہے تھے۔

"اگر یہ قاتل ہے تو بڑا عجیب قاتل ہے کہ قتل کرنے کے بعد بھاگنے کے بجائے اتنے اطمینان سے تصویر بنا رہا ہے۔" شہزادہ علی نے کہا

"جرائم کے سلسلہ میں آپ کا تجربہ ہی کیا ہے۔" مولابخش نے جواب دیا "مجھ سے پوچھئے میں نے ایسے ایسے قاتلوں کو دیکھا ہے جو ایک نہیں کئی کئی خون کر کے اس آرام سے سو جاتے ہیں جیسے کوئی بہت مقدس فرض ادا کر کے آئے ہوں۔"

وہ قدم بڑھا کر مصور کے پاس پہنچ گیا اور جب آہٹ سن کر اس نے سر اٹھایا تو مولابخش نے دیکھا کہ شہزادہ علی کا اندازہ کچھ زیادہ صحیح نہیں تھا۔ مصور کے چہرے پر بہرحال کچھ نہ کچھ اضطراب و پریشانی کے تاثرات موجود تھے۔

"آپ کا نام نواب زادہ فصاحت علی ہے۔" مولابخش نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" کچھ حیرت سے فصاحت علی نے کہا۔ مولابخش اس وقت اپنی وردی میں تھا۔

"آپ تھرٹین ڈاؤن ٹرین سے مرشد آباد سے آئے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"آپ مشہور ڈانسر اور اداکارہ گلنار کے کمپارٹمنٹ میں سفر کر رہے تھے۔"

"معاف کیجئے۔" فصاحت برش ہاتھ سے رکھ کر کھڑا ہو گیا "میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے ان سوالات کا مقصد کیا ہے۔"

"مقصد میں ابھی عرض کرتا ہوں۔ پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔"

"جی نہیں۔ جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ مجھ سے یہ سوالات کیوں پُوچھے جا رہے ہیں میں کسی سوال کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہُوں۔" فصاحت نے کسی قدر ناگواری سے جواب دیا۔

"مس گلنار اپنے کمپارٹمنٹ میں مقتول پائی گئی ہیں۔" شریف نے بتایا اور مولا بخش کی طرف اشارہ کیا "یہ ہومی سائڈ ڈیپارٹمنٹ کے انسپکٹر مولا بخش ہیں اور اس واردات کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ دورانِ تحقیقات ہمیں معلوم ہُوا کہ مرشد آباد سے گڑھوالی تک آپ ان کے شریک سفر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ خود محسوس کر سکتے ہیں کہ ہمارا آپ سے رابطہ قائم کرنا اور آپ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی بتا سکتے ہوں معلوم کرنا ضروری تھا۔"

فصاحت ایک سکتہ کے سے عالم میں شریف کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"گلنار قتل کر دی گئی۔" وُہ بڑبڑایا "اس جیسی عورت کا یہ ہی انجام ہونا چاہیے تھا"

"کیا کہا آپ نے۔" مولا بخش نے چونک کر پُوچھا۔

"کچھ نہیں۔" فصاحت نے سنبھلتے ہُوئے کہا "آپ مجھ سے اس سلسلہ میں کیا پُوچھنا چاہتے ہیں۔"

"آپ نے مرشد آباد اور گڑھوالی کے درمیان گلنار کے ساتھ ایک ہی ڈبہ میں سفر کیا ہے۔" مولا بخش نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"یہ آپ کی مقتولہ گلنار سے پہلی ملاقات تھی یا آپ اسے پہلے سے جانتے تھے۔"

"میں اسے پہلے سے جانتا تھا۔"

"ٹرین میں دورانِ سفر آپ کا گلنار سے کوئی جھگڑا ہوا تھا۔"

فصاحت کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

"ہم میں معمولی سا اختلاف رائے ضرور رہا تھا۔" آخر اس نے جواب دیا "اسے جھگڑا نہیں کہا جا سکتا۔"

"یہ معمولی سا اختلاف رائے کس بات پر ہُوا تھا۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔" فصاحت نے جواب دیا "اس لئے میں اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہتا ہوں۔"

"بہت خوب۔" مولا بخش نے طنزیہ لہجہ میں کہا "آپ کو کریم آباد میں اترنا تھا پھر آپ گڑھوالی میں ڈبہ سے اُتر کیوں گئے۔ مرشد آباد سے ساتھ آ سکتے تھے تو مزید ایک اسٹیشن ساتھ رہنے میں کیا حرج تھا۔"

"میں اس سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتا انسپکٹر۔"

"یہ تو بتا سکتے ہیں کہ جب آپ گڑھوالی میں اترے ہیں تو مقتولہ مر چکی تھی یا ابھی سانس چل رہی تھی۔" مولا بخش نے ترش لہجہ میں کہا۔

خلاف توقع اس سوال اور اس لہجہ پر چراغ پا ہونے کے بجائے فصاحت کے ہونٹوں پر ایک تلخ ہنسی اُبھر آئی۔

"آپ کا خیال غلط ہے انسپکٹر۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔" اس نے جواب دیا "جب میں گڑھوالی اترا تھا تو وُہ بالکل خیریت سے تھی۔"

"فصاحت صاحب۔" شہزادہ علی نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ زبان کھولنے کی ضرورت محسوس کی "ٹرین میں گلنار سے آپ کی ملاقات اتفاقیہ تھی یا آپ کو معلوم تھا کہ وُہ ایک فنکشن کے سلسلہ میں دارالحکومت جانے کے لئے تھرٹین ڈاؤن سے سفر کر رہی ہے۔"

"آپ کون صاحب ہیں۔" فصاحت نے اس سوال پر نمایاں طور پر چونکتے ہوئے شہزادہ علی کی طرف دیکھا۔

"آپ ہیں شہزادہ علی قلی۔" شریف نے جلدی سے کہا "اسے خطرہ تھا کہ کہیں شہزادہ علی جو اس وقت خاصے سنجیدہ موڈ میں تھا اس سوال سے ہٹ کر پھر شوخی و ظرافت پر اتر آئے۔" ایک بڑی ریاست کے ولی عہد۔"

"اوہ۔"

"آپ نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"میں عموماً تصویریں بنانے کے لیے یہاں اتارا کرتا ہوں۔" فصاحت علی نے دوسری
طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس ٹرین سے گلنار بھی سفر کر رہی ہے۔"
"آپ نے گلنار کے گلے میں کوئی لاکٹ دیکھا تھا؟" اچانک مولابخش نے سوال کیا۔
اس سوال نے بھی نواب زادہ فصاحت علی خاں کو چونکا دیا۔
"جی نہیں۔" اس نے چند لمحہ کی ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا۔
"ایک مرتبہ پھر اپنے جواب پر غور کر لیجئے۔" مولابخش نے کہا "ہمارے پاس اس
بات کی چشم دید شہادتیں موجود ہیں کہ گلنار نے ایک دل کی شکل کا لاکٹ پہنا ہوا تھا جو اب غائب
"ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسا لاکٹ موجود ہو۔ میں نے صرف اس کے دیکھنے
سے انکار کیا ہے۔"
"اگر میں اس وقت آپ کی جیبوں کی تلاشی لوں تو کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ لاکٹ
آپ کی کسی جیب سے نہیں نکل آئے گا؟" مولابخش نے سخت لہجہ میں کہا۔
اس مرتبہ فصاحت پہلے سے زیادہ دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا۔
"بہت اچھا۔" اس نے جیسے شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا "میں اعتراف کرتا ہوں
کہ ابھی میں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ گلنار بیشک ایک لاکٹ پہنے ہوئے تھی۔ یہ لاکٹ
میں نے ہی اسے دیا تھا جسے اس نے آج اپنی خوشی سے مجھے واپس کر دیا اور وہ اس وقت
میرے پاس ہے۔ کوٹ کی جیب میں موجود ہے۔"
فصاحت علی نے جیب سے لاکٹ نکال کر دکھایا۔ مولابخش نے لاکٹ دیکھتے ہی ایک
جھپٹا مارا۔ دوسرے لمحہ لاکٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ایک طرف
لاکٹ کھولنے کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اس نے کھٹکا دبایا۔ لاکٹ کے دونوں حصے اندر لگے ہوئے
چھوٹے سے اسپرنگ نے پوری طرح کھول دیئے۔ اندر ڈھکنے میں لگی ہوئی تصویر میں فصا
اور گلنار ایک ساتھ مسکراتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔
"تو یہ لاکٹ آپ نے اس لیے مقتولہ کے گلے سے اتارا تھا کہ اس کی مدد سے پولیس
آپ کو شناخت نہ کر سکے؟" مولابخش نے سخت لہجہ میں کہا اور آگے بڑھ کر زمین میں لگی ہوئی

ی ایک جھٹکے سے اوپر کھینچ لی۔
"آپ کو معلوم ہے؟" وہ چھتری کی مخروطی آہنی شام چڑھی ہوئی نوک فصاحت کے چہرے
کے سامنے ہلاتے ہوئے بولا "گلنار کو کسی ایسی ہی مخروطی آہنی چیز سے قتل کیا گیا ہے۔ آپ
کے علاوہ پورے سفر میں کسی کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے پاس اس کے
گلے سے اتارا ہوا لاکٹ بھی برآمد ہوا ہے۔ مجھے افسوس ہے نواب زادہ فصاحت علی مگر
میں اپنے فرض سے مجبور ہوں۔ سردست میں آپ کو گلنار کے قتل کے شبہ میں زیر حراست
لے رہا ہوں۔"

O

فصاحت کی گرفتاری سے کار میں گنجائش کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔
"ہمارے خیال سے انسپکٹر صاحب اپنے مجرم کو لے کر بذریعہ ٹرین چلے جائیں تو
زیادہ مناسب ہے۔" شہزادہ علی نے کہا۔
"آپ یہ زحمت خود کیوں نہیں گوارا کر لیتے۔" مولابخش چڑ کر بولا۔
"مگر ہم سے تو ریلوے والے کرایہ مانگیں گے۔"
"چلئے کرایہ مجھ سے لے لیجئے۔" مولابخش نے جان چھڑانے کیلئے پیش کش کی۔
"یہاں سے سٹی اسٹیشن تک دو فرسٹ کلاس ٹکٹوں کا کرایہ کیا ہوگا۔" شہزادہ علی نے
یف سے پوچھا۔
"معلوم نہیں مگر پانچ روپیہ سے کیا کم ہوگا۔" شریف نے جواب دیا۔
"میں پانچ روپے دیئے دیتا ہوں۔" مولابخش نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔
"نہیں ابھی ہم اپنے پاس سے دے دیں گے مگر یاد رکھیے گا کہ آپ ہمارے پانچ روپے
کے قرض ہیں۔" شہزادہ نے جواب دیا اور شریف کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیشن کی طرف چل دیا۔
مولابخش کچھ دیر تک ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر کار میں بیٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ

پر بیٹھے ہوئے کانسٹبل کو ہیڈکوارٹر چلنے کی ہدایت کی۔ کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

"اے ٹیکسی" شریف نے ایک خالی گزرتی ہوئی ٹیکسی کو آواز دی۔ ٹیکسی رُک گئی۔

"بھائی صاحب۔ آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے" شہزادہ علی نے جھک کر کھڑکی میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دو بجکر بیس منٹ" ڈرائیور نے کچھ حیرت سے جواب دیا۔

"شکریہ۔ بس یہ ہی معلوم کرنا تھا۔ آپ جا سکتے ہیں" شہزادے نے کہا۔

ڈرائیور نے ان دونوں کو گھور کر دیکھا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

"یہ آپ نے کیا کیا" شریف نے پوچھا "کیا واپس چلنے کا ارادہ نہیں ہے"

"ٹرین سے چلیں گے"

"اور اس وقت کوئی ٹرین نہ جا رہی ہو تب"

"تب انتظار کریں گے" شہزادہ علی نے سادگی سے جواب دیا "کسی شاعر نے کہا ہے کہ زندگی کا بہترین حصّہ وُہ ہوتا ہے جو کسی نہ کسی کے انتظار میں گزرتا ہے"

شریف کے پاس خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسٹیشن پہنچ کر شہزادہ نے اس گڈز شیڈ کا رُخ کیا جہاں رُوئی کی گانٹھوں میں آگ لگ گئی تھی۔ جلی ہوئی گانٹھیں شیڈ سے نکال کر باہر ڈال دی گئی تھیں۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب اپنی نگرانی میں دوسرا سامان حفاظت سے شیڈ کے خالی حصہ میں رکھوا رہے تھے۔

گڈز شیڈ اصل اسٹیشن سے کافی فاصلہ دے کر ایک سائڈ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ شیڈ کے دونوں جانب کافی چوڑا پلیٹ فارم بنا ہُوا تھا اور دونوں پلیٹ فارموں کے سامنے کئی ریلوے لائنیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کی لائنیں کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے دوبارہ بچھائی جا رہی تھیں اور اس کام کے لیے دو انجینئروں کی نگرانی میں پندرہ بیس مزدور کام کر رہے تھے۔ گڈز ٹرین کی بوگیوں میں شیڈ سے سامان لادنے اور اتارنے کے لیے دو سائڈ لائنیں علیحدہ بنی ہوئی تھیں۔ اس وقت بھی ان میں سے ایک لائن پر . . . . ایک مال گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ مال گاڑی میں دوسرے سامان کی بوگیوں کے علاوہ دو ویگنوں میں بے شمار گائیں اور بھینسیں کھڑی ہوئی ڈکرا رہی تھیں۔

"بتا سکتے ہو ان دونوں ویگنوں میں کتنی گائیں اور کتنی بھینسیں ہیں" شہزادہ نے [illegible]لیف سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ دونوں اس طرح آپس میں گڈ مڈ ہیں کہ الگ الگ کیئے بغیر بتانا [illegible]کل ہے"

"اچھا چلو یہ ہی بتا دو کہ دونوں ملا کر کل کتنے مویشی ہیں"

"یہ بھی بہت مشکل ہے"

"قطعی نہیں۔ کہو تو ہم بتا دیں"

"بتائیے" شریف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچاس" شہزادے نے فوراً جواب دیا۔

"اتنی جلدی کیسے گن لیں"

"بڑی آسانی سے" شہزادے نے اطمینان سے کہا "پہلے ان سب کی ٹانگیں [illegible]ن لیں پھر انہیں چار سے تقسیم کر دیا"

"ہنسی نہیں آئی" شریف نے کہا "لطیفہ سنا ہوا تھا"

"پچاس گائے بھینسوں کا نہیں سنا ہوگا" شہزادے نے جواب دیا۔ قریب سے [illegible] قلی گزرا۔

"ذرا سُننا بھائی" شہزادے نے اسے آواز دی۔

"جی صاحب" قلی رُک گیا۔

"گودام میں آگ کس وقت لگی تھی" شہزادے نے پوچھا۔

"کوئی گیارہ بجے کا وقت ہوگا صاحب"

"شاتور سے آنے والی ٹرین اس وقت آ چکی تھی"

"بس اسی وقت آئی تھی" قلی نے جواب دیا اور کچھ تعجب سے شہزادے کی طرف [illegible]ینے لگا۔

"ہمیں سٹی اسٹیشن جانا ہے۔ اگلی ٹرین کب ملے گی؟"

"تین بجے۔"

"یہ گودام میں جو بوریاں رکھی ہیں ان میں کیا بھرا ہوا ہے۔" شہزادے نے اشار
سے بتایا "ہم بڑی دیر سے اس بوری کو ادھر سے ادھر حرکت کرتے ہوئے دیکھ
رہے ہیں۔"

"یہ بوری نہیں ہے صاحب۔ اسٹیشن ماسٹر ہیں۔" قلی نے جواب دیا اور آگے
بڑھ گیا۔

شریف نے ایک قہقہہ لگایا۔ کوئی شبہ نہیں اسٹیشن ماسٹر صاحب واقعی بے
موٹے تھے۔

"کمال ہے۔" شہزادہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "یہ تو سچ مچ اسٹیشن ماس
صاحب ہیں۔ پتہ نہیں ہمیں بوری کا شبہ کیوں ہوا۔ آؤ ذرا ان سے معذرت کر لیں۔"

"کیا۔" شریف چونکا "خواہ مخواہ کا جھگڑا شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم آؤ تو سہی۔" شہزادہ علی نے اس کا بازو پکڑ کر گودام کی طرف چلنے لگا "اس یہ
جھگڑے کی کیا بات ہے کوئی ہم نے جان بوجھ کر تو انہیں بوری نہیں سمجھا تھا۔"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں انہیں کیا معلوم کہ آپ نے انہیں کیا سمجھا تھا یا کیا نہیں۔" شر
نے جواب دیا "اب آپ جا کر انہیں بتائیں گے تب وہ خواہ مخواہ برا مان جائیں گے۔"

"یعنی ہم معذرت کر لیں تب بھی۔"

"اُفوہ۔" شریف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شہزادے کو کس طرح باز رکھے۔ "اچھ
اب آپ ان سے کہیں گے کیا؟"

"یہ ہی کہ ہم بڑی دیر تک آپ کو بوری خیال کرتے رہے۔ مگر قلی نے بتایا کہ آپ
اسٹیشن ماسٹر ہیں۔ چنانچہ اپنی اس غلط فہمی کے لیے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔"

"اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوں گے۔ اور آپ کو معاف کر دیں گ

"یقیناً۔"

"فرض کیجئے کوئی آپ سے آ کر کہے معاف کیجئے گا شہزادہ صاحب میں آپ کو گدھا
سمجھ رہا تھا مگر آپ تو انسان نکلے۔ تب آپ کا جواب کیا ہوگا۔"

"ہم کہیں گے کہ ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ہماری غلط فہمی بھی دور کر دی۔ ہم آپ کو
انسان سمجھ رہے تھے۔" شہزادے نے سادگی سے جواب دیا۔

جھلاہٹ کے باوجود شریف کو ہنسی آ گئی۔ اس وقت وہ دونوں مال گاڑی کے
ان کھلے ویگنوں کے قریب سے گزر رہے تھے جن میں مویشی سوار تھے۔ ویگن کے باہر
دروازے کے ہینڈل میں ایک گتے کا ٹکڑا لٹک رہا تھا۔ شہزادے نے اس پر
لکھی ہوئی عبارت پڑھی۔

"خالص ڈیری فارم۔ بھینس کالونی۔"

"نام تو اچھا ہے۔" شریف نے کہا۔

"کام بھی اچھا ہے۔" شہزادے نے جواب دیا "کئی مرتبہ ہم خود ڈیری فارم
کھولنے کا ارادہ کر کر کے رہ گئے۔"

اسٹیشن ماسٹر صاحب اپنا کام قریب قریب ختم کرا چکے تھے اور اب واپسی کا
ارادہ کر رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا۔" شہزادہ علی نے آگے بڑھ کر کہا "آپ کریم آباد کے انجن ماسٹر ہیں۔"

"جی ہاں۔" اسٹیشن ماسٹر صاحب نے جواب دیا مگر فوراً ہی چونک کر بولے
"کیا کہا تھا آپ نے۔"

"یہ کیپٹن شہزاد کے اسسٹنٹ سارجنٹ شریف ہیں۔" شہزادہ علی نے اس
طرح کہا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ "اور آپ سے اس آگ کے بارے میں چند سوالات
کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی۔"

"جی ہاں ان کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ آگ لینے گئے تھے تو پیغمبری مل گئی تھی۔
شاید مجھے آگ کی تحقیقات کرنے سے ولایت ہی ہاتھ آ جائے۔"

"اوہ تو آپ آگ کی تحقیقات کرنے آئے ہیں۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

"اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ غالباً موقع کا معائنہ تو آپ کر چکے ہیں۔ میں ب
دیر سے آپ لوگوں کو ادھر ادھر چکر لگاتے دیکھ رہا ہوں۔"

"ہم بھی بہت دیر سے آپ کو دیکھ رہے تھے مگر ——————"

"میرے خیال سے آفس میں چل کر گفتگو کی جائے تو زیادہ اچھا ہے۔" شریف
جلدی سے بات کاٹی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں شہزادہ بوری والی بات نہ کہہ دے۔

"جی ہاں۔ ضرور۔ آیئے۔"

اسٹیشن ماسٹر صاحب دونوں کو ساتھ لئے اپنے آفس میں آ گئے۔ وہاں ایک
کانٹے والا ایک نوعمر لڑکے کا ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا۔ ان سب کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے رمضو۔ یہ لڑکا کون ہے۔" اسٹیشن ماسٹر صاحب نے پوچھا۔

لڑکے نے اتنے آدمیوں کو دیکھ کر ایک مرتبہ پھر رمضو کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑ
بھاگنے کی کوشش کی۔

"سیدھا کھڑا رہ بے۔" رمضو نے لڑکے کو زور سے جھٹکا دیا "ورنہ وہ ہاتھ ماروں
کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔"

"بات یہ ہے بابوجی" رمضو اسٹیشن ماسٹر سے مخاطب ہوا "کہ مجھ سے چھیدہ
نے آکر شکایت کی کہ آؤٹر سگنل کے قریب کچھ گداگر لڑکے جوا کھیل رہے ہیں۔ میں پہنچا
وہاں پہنچا تو تین چار لڑکے واقعی پیسوں سے جوا کھیل رہے تھے اور تو سب بھاگ
مگر میں نے اسے پکڑ لیا تلاشی لی تو دیکھئے اس کے پاس سے کیا نکلا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے رمضو نے اپنے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پ
نکال کر اسٹیشن ماسٹر کو دکھایا۔ پرس خوب صورت اور قیمتی معلوم ہوتا تھا۔

"لیڈیز پرس معلوم ہوتا ہے۔" اسٹیشن ماسٹر صاحب نے پرس کو الٹ پلٹ
دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے اندر بھی تو دیکھئے۔" رمضو نے کہا۔

اسٹیشن ماسٹر نے پرس کھولا۔ شریف اور شہزادہ علی بھی پرس کو بڑی دلچسپی سے
دیکھ رہے تھے۔ پرس میں تین چار روپیہ کی ریزگاری کے علاوہ ایک ٹین کی چھوٹی سی معمولی
ڈبیہ رکھی تھی۔ ڈبیہ کو کھولا گیا تو اس میں کوئی سیاہ رنگ کی ٹھوس چیز رکھی نظر آئی۔

"افیون۔" اسٹیشن ماسٹر نے ڈبیہ کو سونگھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔ اب پوچھئے اس سے کہ اس کے پاس یہ قیمتی بٹوہ اور یہ ڈبیہ کہاں سے
آئی۔" رمضو نے لڑکے کے ایک دھپ لگاتے ہوئے کہا "یہ حرامزادے فقیر بن کر
گاڑی کے ڈبوں میں بھیک مانگتے ہیں اور پھر نہ صرف خود نشہ پانی کرتے ہیں بلکہ شاید دوسروں
کے ہاتھ بیچتے بھی ہیں۔"

شہزادہ علی نے پرس اور ڈبیہ اسٹیشن ماسٹر کے ہاتھ سے لے لی۔ پرس کو غور سے
دیکھا اور پھر لڑکے کی طرف۔

"میں نے کچھ نہیں کیا ہے صاحب" لڑکا اس کی تیز نظروں سے گھبرا کر بولا "یہ ڈبیہ
میری نہیں ہے —— اور —— اور —— میں کان پکڑتا ہوں اب کبھی جوا نہیں
کھیلوں گا۔"

"یہ پرس تمہارا ہے۔" شہزادے نے پوچھا۔

"ہاں صاحب —— نہیں صاحب۔" لڑکا جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتے کرتے
سچ بول گیا۔

"پھر تمہارے پاس کہاں سے آیا۔"

"یہ ڈبوں میں گھس کر بھیک مانگتا ہے کسی مسافر کا پار کر دیا ہو گا۔"

"بولو۔ پھر تمہارے پاس یہ پرس کہاں سے آیا۔"

"صاحب یہ میں نے ایک بیگم صاحبہ کے ڈبے سے اٹھایا ہے۔" لڑکا سر جھکا کر بولا۔

"کب۔ پوری بات بتاؤ۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے جو گاڑی گئی ہے میں اس پر بھیک مانگ رہا تھا۔" لڑکے نے

بتایا " اس میں ایک بہت خوب صورت بیگم صاحبہ بیٹھی تھیں ۔ کوئی آدمی اور بھی تھا ۔ میں نے
ان سے بھیک مانگی ۔ انہوں نے جھڑک دیا ۔ مجھے غصہ آ گیا ۔ گڑ والی کے اسٹیشن پر وہ
آدمی اتر کر دوسرے ڈبہ میں چلا گیا ۔ میں نے اسے اترتے دیکھا اور ڈبے میں آ کر جھانکا
ڈبہ بالکل خالی تھا ۔ بیگم صاحبہ ٹوائلٹ میں گئی ہوئی تھیں ۔ میں نے موقع اچھا دیکھا اور ڈبے
میں چڑھ گیا ۔ یہ بٹوہ سیٹ پر رکھا تھا ۔ ایک بڑا سا بیگ بھی اس کے پاس رکھا تھا ۔ میں نے
پہلے بٹوہ اٹھایا اور پھر بیگ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ بیگم صاحبہ آ گئیں ۔ میں انہیں
دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ خدا کی قسم بٹوہ میں بس اتنے ہی پیسے تھے جتنے آپ دیکھ رہے ہیں
یہ ڈبیہ میرے ایک ساتھی کی ہے ۔ میں نے اس سے جوئے میں جیتی ہے ۔ اس کے پاس
پیسے نہیں تھے ۔"

" ہم اسے اپنے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر لئے جا رہے ہیں ۔" شہزادہ علی نے اسٹیشن
ماسٹر سے کہا ۔

اس نے شریف کو اشارہ کیا اور لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف چلا ۔

" اور وہ آگ کے بارے میں ۔" اسٹیشن ماسٹر کو اچانک خیال آ گیا ۔

" وہ آگ تو لگ کر بجھ بھی چکی ۔ ہم اس آگ کی فکر کرنے جا رہے ہیں جو عنقریب لگنا چاہتی ہے ۔"
شہزادے نے باہر نکلتے ہوئے جواب دیا ۔

باب ۳

سارجنٹ شریف نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے بلند قد و قامت ، سرخ و سپید چہرے
والے بارعب شخص کی طرف غور سے دیکھا اور پھر ہاتھ میں پکڑے ہوئے کارڈ پر ایک نظر ڈالی ۔

" تو آپ نواب زادہ فصاحت علی خاں کے بڑے بھائی نواب زادہ ہدایت علی خاں
ہیں ۔ تشریف رکھئے ۔"

" شکریہ ۔" ہدایت علی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا ۔

" میں دیکھتا ہوں کہ کیپٹن اس وقت آفس میں موجود ہیں یا نہیں ۔" شریف نے اٹھتے
ہوئے کہا " اور یہ کہ کیا اس وقت ملاقات ممکن ہو سکتی ہے ۔"

" آپ یہاں دفتر میں بیٹھے ہیں اور آپ کو یہ معلوم نہیں کہ کیپٹن اپنے آفس میں ہیں یا
نہیں ۔"

" جی ہاں ۔" شریف مسکرایا " یہ عموماً ہوتا رہتا ہے ۔ کیپٹن کے آفس کے دو دروازے
ہیں ۔ جب بھی وہ عقبی دروازے سے آ کر چپ چاپ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں تو مجھے
اس کا پتہ نہیں چلتا ۔ بہرحال آپ تشریف رکھئے میں ابھی ان سے معلوم کرتا ہوں ۔ یعنی اس
بات کا کہ وہ موجود ہوں ۔"

وہ کیپٹن شہزاد کے پرائیویٹ آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا ۔ تقریباً فوراً ہی
واپس آیا اور ہدایت علی کو بتایا کہ کیپٹن موجود ہیں اور یہ کہ وہ ان کو مل سکتے ہیں ۔ ہدایت علی
سگرٹ منہ میں دبائے اسے جلانے کا ارادہ کر رہے تھے یہ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور
سگرٹ واپس سگرٹ کیس میں رکھتے ہوئے کیپٹن شہزاد کے آفس کی طرف چل دیئے ۔

کیپٹن اپنے سامنے میز پر چند فائلیں رکھے ان کا مطالعہ کر رہا تھا ۔ ہدایت علی کو دیکھ کر

اس نے فائل بند کر دیئے اور اپنی کرسی سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ ہاتھ ملایا اور کرسی پر
بیٹھنے کے لیے کہتے ہوئے خود بھی دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"آپ نے یہ اندازہ تو کر لیا ہوگا کہ میں کس سلسلہ میں آپ کو زحمت دینے آیا ہوں"
ہدایت علی نے کہا۔

"غالباً آپ کا اشارہ نواب زادہ فصاحت علی کی حراست سے ہے۔" کیپٹن نے
جواب دیا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اس کیس کا براہِ راست مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ انسپکٹر مولا بخش اس کی
تحقیقات کر رہے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" ہدایت علی نے ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مگر میں یہ بھی جانتا ہوں
کہ حکومت کی طرف سے آپ کو آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ مقامی
کی تحقیقات کی نگرانی و رہنمائی کرتے رہیں اور اسے غلط رُخ پر جانے سے روکیں۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ———"

"میرا مطلب ہے کہ فصاحت اس الزام سے جو اس پر لگایا جا رہا ہے اتنا ہی معصوم
اور بے گناہ ہے جتنا کہ مثال کے طور پر آپ ہو سکتے ہیں اور یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہا
ہوں کہ وُہ میرا بھائی ہے۔"

"دُوسرے الفاظ میں آپ کے پاس اس کی بیگناہی کا کوئی واضح ثبوت موجود ہے"

"ثبوت و شہادتیں فراہم کرنا میرا کام نہیں ہے۔ یہ کام آپ کا اور محکمہ پولیس کا ہے
وہ کسی واردات کا سراغ لگائے۔ ثبوت و شہادتیں فراہم کرے۔ پوری غیر جانبداری سے
تحقیقات سے نتائج اخذ کرے اور پھر اصل مجرم کو گرفتار کر کے قانون کے حوالے کرے
میں تو آپ کے پاس صرف یہ درخواست لے کر حاضر ہُوا ہوں کہ فصاحت کے خلاف
بھی ثبوت یا شہادتیں انسپکٹر مولا بخش نے بیان کی ہیں وہ سب کی سب واقعاتی ہیں اور
اچھی طرح جانتے ہیں کہ واقعاتی شہادت کی توجیہہ کئی مختلف انداز میں کی جا سکتی ہے اور

... پولیس آفیسر کا فرض ہے کہ اگر اسے واقعاتی شہادت پر ہی انحصار کرنا ہے تو کم سے کم
اس وقت کرے جب کسی واردات کے مکمل تفتیش کے بعد اسے کوئی اور قابلِ قبول حل نظر
نہ آتا ہو جبکہ انسپکٹر مولا بخش کا طرزِ عمل یہ ہے کہ ابتدائی تحقیقات کے چند نکات کی بنیاد پر فصاحت
کو گرفتار کرنے کے بعد اب انہوں نے واردات کی تحقیقات بند کر کے ان باتوں کی تلاش
شروع کر دی ہے جو ان کے ابتدائی مفروضہ پر پوری اترتی ہوں۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں
... یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وُہ کبھی بھی اصل مجرم کو پکڑنے کے قابل ہو سکیں گے۔"

"ممکن ہے ایک حد تک آپ کا تاثر درست ہو لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ فصاحت نے
... حالات کے بارے میں اپنی زبان بند کر لی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ تو مانا جا سکتا ہے
... وہ اس جرم سے بالکل بری الذمہ ہو لیکن یہ کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ واقعات کو اس
... پہنچانے والے محرکات کا سلسلہ کہیں ماضی سے وابستہ نہیں ہے۔ ان حالات میں
... پولیس کے سوالات کے جوابات دینے سے انکار کرنا بذاتِ خود مشکوک ہے۔ اور
... قات کے دائرہ کار کو لازمی محدود کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں آپ انسپکٹر مولا بخش کو
... یادہ مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ وہ تحقیقات کے راستے میں حائل دیوار سے سر ٹکرانے
... بجائے اس جانب کیوں چل نکلا ہے جہاں اسے ہر طرح آسانی نظر آ رہی ہے۔ میرا
... ب غلط نہ سمجھئے میں ان الفاظ سے نااہل اور تن آسان پولیس آفیسروں کی غفلت اور جانبداری
... ڈالنے کی کوشش نہیں کر رہا ہُوں بلکہ یہ بتانا چاہتا ہُوں کہ آدمی اگر خود کو بے گناہ کہنے پر
... اصرار کرے اور پھر اصل مجرم کی تلاش میں پولیس سے تعاون بھی نہ کرے تو آخر پولیس
... طرح اپنا فرض خوش اسلوبی سے انجام دے سکتی ہے۔"

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔" ہدایت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا "اسی لیے
... آپ کے پاس آنے سے پہلے حوالات میں فصاحت سے مل کر آ رہا ہُوں۔ میں نے
... سے کہہ دیا ہے کہ اس بارے میں جو کچھ میں جانتا ہوں وُہ آپ کو بتا دوں گا اور جو کچھ وُہ
... ہے وُہ بھی اسے آپ کو بتا دینا چاہیے اس کے بغیر کبھی اس کی بے گناہی ثابت نہیں
... ے گی۔"

"فرمائیے۔ میں سُن رہا ہوں۔"

"بات کچھ زیادہ طویل نہیں ہے۔" ہدایت علی نے کہنا شروع کیا "فصاحت کو اسکو
کے زمانے سے ہی مصوری سے بے انتہا لگاؤ تھا۔ اسی وجہ سے تعلیمی مصروفیات کے
اس کا بیشتر وقت اسی شوق کی نذر ہوتا تھا۔ اسکول سے لے کر کالج کے آخری سال تک اس
یہ ہی معمول رہا۔ اور کالج سے فارغ ہونے کے بعد تو وہ جیسے صرف مصوری کا ہی ہو کر رہ گیا
اس نے بعض ملکی اور غیر ملکی مقابلوں اور نمائشوں میں بھی حصہ لیا اور خاصی کامیابی حاصل کی
تین سال قبل کا ذکر ہے کہ اسے ایک بیرونی تجارتی فرم کی جانب سے پبلسٹی کے مقصد
کے لیے چند کامرشیل تصاویر کا آرڈر ملا۔ ان تصاویر کے لئے اسے ایک ماڈل لڑکی تلاش
کرنا پڑی۔ اور یہ گلنار تھی جو اُن دنوں شہر کے چھوٹے موٹے ورائٹی پروگراموں میں اس
پرآتی رہتی تھی۔ فصاحت نے گلنار کی کئی تصاویر بنائیں۔ اس سلسلہ میں دونوں کو ایک
رہنے کا موقع ملا۔ گلنار کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا مگر فصاحت اس سے اس
حد تک متاثر ہوا تھا کہ اس نے میری اور گھر والوں کی مرضی کے خلاف گلنار سے شادی کر
کا فیصلہ کر لیا۔ گلنار کو کبھی کبھی پروگرام دینے کے سلسلہ میں باہر بھی جانا پڑتا تھا۔ ایسے ہی م
پر فصاحت نے اسے بہت سے خطوط بھی لکھے اور اس کے ساتھ کئی تصاویر بھی اتروائیں
مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں کے درمیان تعلقات کس حد تک تھے مگر فصاحت یہ ہی کہتا
کہ اس نے اخلاق و شرافت سے گری ہوئی کوئی حرکت نہیں کی تھی اور مجھے اس کی بات
یقین ہے۔ یہ صورت حال دو سال تک چلتی رہی۔ محبت نے فصاحت کی آنکھوں پر پٹی با
رکھی تھی مگر میں جانتا تھا کہ گلنار کس قسم کی لڑکی ہے۔ ابتدائی دنوں میں جب اس کی شہرت مح
تھی اس نے فصاحت کو ایک سہارے کی حیثیت سے استعمال کیا اور پھر جیسے جیسے
کی شہرت بڑھتی گئی ویسے ویسے وہ اس سے لاپروا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک سال
جب اس نے فلمی دنیا کا رُخ کیا تو اس کے بعد اس کے تعلقات عملاً فصاحت سے خ
ہو گئے۔ اس نے فصاحت کے خطوط کے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔ فصاحت ا
مرتبہ خود اس سے ملنے شانور گیا اور میرا خیال ہے کہ وہاں اس نے گلنار کو اس کے اصل

روپ میں دیکھ لیا کیونکہ واپس آنے کے بعد پھر ہم لوگوں نے اس کی زبان سے گلنار کا نام
نہیں سنا۔ میں نے یہ دیکھ کر اب اس کے سر سے عشق کا بھوت اتر چکا ہے نواب حیدر گڑھ
کی بیٹی سے اس کی شادی طے کر دی۔ فصاحت خود بھی اس منگنی سے بہت خوش تھا۔ وہ
گلنار کو تقریباً فراموش کر چکا تھا کہ کوئی چار ماہ پہلے اسے ایک گمنام خط ملا جس میں راقم نے
دھمکی دی تھی کہ اگر اسے منہ مانگی رقم نہیں دی گئی تو وہ نواب حیدر گڑھ کو اس کے اور گلنار کے
معاشقہ سے آگاہ کر دے گا۔ یہ خط پا کر فصاحت کا پہلا شبہ یہ ہی تھا کہ اس طرح گلنار اسے
بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔ اس نے فوراً گلنار کو خط لکھا کہ وہ اس کے اب تک کے لکھے ہوئے
تمام خطوط واپس کر دے۔ گلنار نے بڑی شرافت دکھائی اور بیشتر خطوط واپس کر دیئے۔ باقی
خطوط کے متعلق اس نے لکھا کہ وہ انہیں کہیں رکھ کر بھول گئی ہے جلد ہی تلاش کر کے واپس
کر دے گی۔ اس کے بعد بھی اس گمنام شخص کا ایک خط اور ملا کہ فصاحت گلنار سے اپنے
خطوط واپس لے کر یہ نہ سمجھے کہ اب اس کی آوارگی کا کوئی ثبوت نہیں رہا۔ جو خط گلنار کو نہیں مل
رہے ہیں وہ اس نے حاصل کر رہے ہیں۔ وہ خط اور لاکٹ نواب حیدر گڑھ کی آنکھیں
کھولنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ لاکٹ کا خود فصاحت کو بھی خیال نہیں تھا۔ اس نے
فوراً گلنار کو خط لکھا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے دوبارہ لکھا۔ تار دیا کہ میں آ رہا ہوں۔
اس پر گلنار کا جواب آیا کہ ایک گمنام بلیک میلر نے اسے بھی پریشان کر رکھا ہے۔ وہ اس سے
کئی ہزار روپیہ وصول کر چکا ہے اور اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر جلد ہی اس نے دس ہزار
روپیہ نہیں دیا تو وہ خطوط اخبار میں اشاعت کے لئے دے دے گا جس سے ایک ڈانسر یا
اداکارہ کے بطور فلمی دنیا میں اس کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا۔ گلنار کے ساتھ ہی
فصاحت کو بلیک میلر کا تیسرا خط ملا کہ اگر وہ اپنے خط اور لاکٹ واپس چاہتا ہے تو دس ہزار
روپیہ ادا کرے۔ اس نے لکھا تھا کہ ایک فنکشن میں شریک ہونے کے لیے گلنار اس ماہ
ٹھ تاریخ کو تھرٹین ڈاؤن ٹرین سے دارالحکومت جا رہی ہے وہ دس ہزار روپیہ
لے کر اس ٹرین سے سفر کرے اسے باقی خطوط اور لاکٹ مل جائے گا۔ اس
لے پر فصاحت نے مجھے جملہ حالات سے مختصراً مطلع کیا۔ میں بلیک میلر کو رقم کی ادائیگی

کے خلاف تھا۔ نیز مجھے یہ بھی شبہ تھا کہ یا تو گلنار خود یہ خطوط لکھ رہی ہے یا اس نے کسی اور کو ساتھ ملا کر فصاحت کو بلیک میل کرنے کی سازش تیار کی ہے۔ میں نے پولیس میں رپورٹ کرنے کے لیے کہا مگر فصاحت نے میرا مشورہ نہیں مانا۔ وہ دس ہزار روپیہ لے کر گلنار سے ملا۔ وہ کبھی کبھی موتی جھیل پر تصویر بنانے جاتا رہتا ہے۔ اس مرتبہ بھی اس نے مصوری کا سامان لے لیا تھا تاکہ ظاہر یہ ہی کیا جائے کہ جیسے وہ اپنے معمول کے مطابق تصویر بنانے جا رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حسب وعدہ گلنار اس سے ملی۔ اس نے خطوط تو بلا حیل و حجت دے دیئے مگر لاکٹ واپس کرنے میں جھگڑا کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ فصاحت صرف لاکٹ کے اندر کی تصویریں لے کر لاکٹ اسی کے پاس رہنے دے مگر فصاحت اب اس سے اس حد تک متنفر ہو چکا تھا کہ اپنی کوئی چیز اس کے پاس چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بہر حال کافی رد و قدح کے بعد گلنار نے لاکٹ بھی دے دیا۔ فصاحت نے دس ہزار روپے اس کے حوالے کئے اور گڑوالی کے اسٹیشن پر اتر گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس وقت گلنار با ٹھیک تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا اور کس نے اسے قتل کیا۔ اس بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ گلنار کے قتل کی اطلاع بھی اسے انسپکٹر مولا بخش کی زبانی ملی تھی۔"

ہدایت علی اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئے۔ کیپٹن شہزاد آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہا تھا۔ ہدایت علی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سگرٹ کیس سے سگرٹ نکالا اور سلگا کر پینے لگا۔

"فصاحت نے دس ہزار روپے گلنار کو ادا کر دیئے تھے۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے گلنار کے سامان میں دس ہزار روپے تو نہیں تھے"

"اس سلسلہ میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"وہ خطوط جو گلنار نے واپس کئے تھے کہاں ہیں۔"

"وہ فصاحت نے اسی وقت پھاڑ کر چلتی ٹرین میں کھڑکی سے پھینک دیئے تھے"

"آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس سے گلنار کا ربط و ضبط کچھ زیادہ ہو۔"

"میں اس سلسلہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" ہدایت علی نے جواب دیا "مزید با

اگر آپ کو معلوم کرنا ہوں تو آپ فصاحت سے معلوم کر سکتے ہیں۔ میں نے اسے تاکید کی ہے کہ وہ کم سے کم آپ سے کوئی بات نہ چھپائے۔"

"بہتر ہے۔" کیپٹن نے جواب دیا "میں فصاحت سے ملنے کے بعد ہی یہ بتا سکوں گا کہ میں اس سلسلہ میں اس کے لیے کچھ کر سکتا ہوں یا نہیں۔"

○

انسپکٹر مولا بخش نے ایک گہری سانس لے کر کیپٹن شہزاد کی طرف دیکھا۔

"میں یہ ہی سوچ رہا تھا کہ نواب زادہ فصاحت علی خاں جیسے بڑے خاندان کے فرد کا معاملہ ہے۔ اب تک آپ نے کوئی دلچسپی کیوں نہیں لی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں صرف بڑے آدمیوں کے معاملات میں دخل دیا کرتا ہوں۔" کیپٹن کا لہجہ بڑا نرم تھا۔

مولا بخش نے پتہ نہیں کس بے خیالی میں ایک بات کہہ دی تھی۔ کیپٹن کا سوال سن کر اسے اپنے الفاظ کا پورا مفہوم واضح ہوا اور پھر کیپٹن کے نرم لہجہ پر غور کیا تو گھبرا سا گیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے جلدی سے کہا "میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر ہر کیس آپ کی مداخلت کے بغیر نبٹایا نہ جا سکے تو پھر مجھ جیسے آفیسروں کا وجود تو بیکار محض ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"واقعی یہ سوال بڑی سنجیدہ توجہ کا طالب ہے۔" کیپٹن نے جواب دیا "پھر اس کا حل کیا تجویز کرتے ہو۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ آپ صرف اس وقت کسی معاملے پر غور کریں جب وہ آپ کے پاس باقاعدہ بھیجا جائے۔"

"میرے اور تمہارے درمیان یہ ہی فرق ہے انسپکٹر۔" کیپٹن نے مسکراتے ہوئے کہا "تم کرسی پر بیٹھ کر ڈیوٹی کا انتظار کرتے ہو اور میں ہر وقت اپنے آپ کو ڈیوٹی پر سمجھتا ہوں

اور پولیس کی اوّل و آخر ڈیوٹی جرائم کا انسداد اور معاشرے کو تحفظ دینا ہے۔ دفتری طریقہ کار اس فرض کو آسان کرنے کے لیے ہونا چاہئے۔ اسے دشوار سے دشوار تر بنانے کے لیے نہیں۔ اس سلسلہ میں میں جو کچھ کرتا ہوں اس کا مقصد تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں بلکہ مشورہ اور تعاون ہوتا ہے تاکہ تم خود ہی کسی معاملے سے نبٹ سکو اور کیس میرے پاس تک آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔"

مولا بخش کی موٹی عقل میں یہ باریک باتیں کیا آتیں۔ اس نے ذہانت کی تہمت اٹھانے سے بہتر یہ سمجھا کہ کسی طرح اس وعظ و تلقین سے اپنا پیچھا چھڑائے۔

"تو اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں" اس نے کہا۔

"گلنار کا سامان کہاں ہے" کیپٹن نے پوچھا۔

"اسٹور روم میں" مولا بخش نے جواب دیا "میں نے اسے حفاظت سے ایک الماری میں لاک کر دیا ہے"

"پہلے میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد فصاحت سے چند سوالات کرنا ہیں"

"مگر وہ کسی بات کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہے"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ پہلے اسٹور روم چل کر مجھے گلنار کا سامان دکھا دو" کیپٹن نے جواب دیا۔

"آئیے" مولا بخش نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

اسٹور روم کا ایک مخصوص حصہ ایسا بھی تھا جہاں زیر تحقیقات مقدمات سے متعلق ضروری اشیاء محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ مولا بخش نے ٹرین کے کمپارٹمنٹ سے گلنار کا سامان لانے کے بعد وہیں ایک الماری میں مقفل کر دیا تھا۔ کیپٹن کی خواہش پر وہ اسے ساتھ لے کر اسٹور روم گیا اور الماری کھول کر گلنار کا جملہ سامان نکال کر میز پر رکھ کیپٹن شہزاد نے سوٹ کیس کو خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا۔ اس کے تمام کپڑے نکال کر ایک طرف رکھے اور خالی سوٹ کیس کو الٹ پلٹ کر اچھی طرح دیکھنے لگا۔ جلد

اس کی ہوشیار نظروں نے محسوس کر لیا کہ سوٹ کیس کے نچلے حصہ کی اونچائی باہر سے کچھ اور ہے اور اندر سے کچھ اور۔ ٹھیک ٹھیک ناپنے پر تقریباً ڈھائی انچ کا فرق پایا گیا۔

"کسی سوٹ کیس کا پیندا اتنا موٹا تو نہیں لگایا جاتا" مولا بخش نے بڑی حیرت سے کہا "اس کا مطلب ہے کہ اس میں کوئی خفیہ خانہ موجود ہے"

مگر جتنی دیر میں الفاظ اس کے منہ سے ادا ہوئے، اتنی دیر میں کیپٹن اس خانے کا سراغ بھی لگا چکا تھا۔ بنانے والے نے بڑی صفائی سے اس کے پیندے میں میز کی دراز کی طرح ایک خانہ بنا رکھا تھا جو اندر کی جانب لگے ہوئے ایک خفیہ بٹن کو دبانے سے آپ ہی آپ تین چار انچ کے بقدر اچھل کر باہر نکل آتا تھا۔ باقی حصہ نکالنے کے لیے اسے کھینچنا پڑتا تھا۔ کیپٹن نے خانے میں سے پوری دراز نکال کر دیکھی مگر وہ خالی تھی۔

"آپ کو اس میں کیا چیز پانے کی توقع تھی" مولا بخش نے پوچھا۔

"دس ہزار کے نوٹ جو فصاحت نے بلیک میلنگ کے سلسلہ میں گلنار کو ادا کئے تھے" کیپٹن نے جواب دیا۔

"بلیک میلنگ" مولا بخش اچھل پڑا "اس کا مطلب ہے کہ ضرور اسی نے گلنار کو قتل کیا ہے۔ اب تک میں مقصد قتل کے سلسلہ میں کسی یقینی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ آپ نے وہ بھی فراہم کر دیا۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ گلنار فصاحت کو بلیک میل کر رہی تھی"

"مجھے فصاحت کے بڑے بھائی نواب زادہ ہدایت علی صاحب نے بتایا تھا" کیپٹن شہزاد نے جواب دیا مگر اس کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ اگرچہ وہ مولا بخش سے باتیں کر رہا ہے مگر اس کا ذہن کہیں اور ہی مصروف ہے۔

"حیرت ہے اتنی رقم کہاں غائب ہو سکتی ہے" وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

"اس میں اتنا الجھنے کی کیا بات ہے" مولا بخش نے کہا "صاف ظاہر ہے کہ نواب زادے نے ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہے ہیں۔ اس نے گلنار کو قتل کر کے نہ صرف ایک بلیک میلر سے اپنا پیچھا مستقل طور پر چھڑا لیا بلکہ اپنی جاتی ہوئی رقم بھی بچا لی"

"گویا پہلے فصاحت نے دس ہزار روپیہ ادا کئے اور پھر گلنار کو قتل کر کے واپس

لے لئے۔"

"بالکل!" مولابخش نے جلدی سے کہا۔

"ٹرین سے اترنے کے بعد وہ مستقل کسی نہ کسی کے سامنے رہا ہے اور پھر تم نے اسے حراست میں لے لیا۔ اگر اس نے رقم دے کر پھر نکال لی تھی تو اس کے پاس سے برآمد کیوں نہیں ہوئی؟" کیپٹن شہزاد نے سوال کیا۔

مولابخش سر کھجانے لگا۔

"پھر کہاں گئے۔ گلنار کو بھی تو کہیں جانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔" اس نے کہا۔

"یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اگر معلوم ہو جائے تو اس کیس کے کئی گوشے بے نقاب ہو سکتے ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا "اچھا اب اس سامان کو واپس الماری میں بند کر دو۔"

مولابخش نے ہدایت کی تعمیل کی۔

"اب آپ فصاحت سے ملنا چاہیں گے۔" اس نے الماری بند کر کے کیپٹن کی طرف گھومتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" کیپٹن نے بدستور کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر آئیے چلیں۔" مولابخش نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

فصاحت کو پولیس ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں ہی رکھا گیا تھا اور چونکہ ابھی تک اس پر باقاعدہ فرد جرم نہیں لگائی گئی تھی اس لیے اتنی رعایت اسے مل گئی تھی کہ اپنے ذاتی بستر اور کھانے وغیرہ کا انتظام کر لے۔ جس وقت کیپٹن اور مولابخش حوالات میں داخل ہوئے ہیں تو وہ بستر پر لیٹا ہوا آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہا تھا۔ آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں اور کیپٹن کو دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے بڑے بھائی مجھ سے ملنے آئے تھے۔" کیپٹن شہزاد نے کہا "اور ان کی اس یقین دہانی پر کہ تم اب ہمارے سوالات کا جواب دینے کے لیے آمادہ ہو۔ میں تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"مجھے جو کچھ معلوم ہے۔ میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔" فصاحت نے جواب دیا

"تم نے دس ہزار روپے واقعی گلنار کو دے دیئے تھے؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہ بات غالباً آپ کو بھائی جان نے بتائی ہوگی۔"

"مگر ہمیں گلنار کے سامان میں یہ رقم نہیں ملی۔" کیپٹن نے غور سے فصاحت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

فصاحت کے چہرے پر یہ بات سن کر کوئی حیرت ظاہر نہیں ہوئی۔

"اس کے سوٹ کیس میں ایک خفیہ خانہ ہے رقم اس نے اس میں رکھی تھی۔" فصاحت نے سرسری لہجہ میں جواب دیا۔

"تمہارے سامنے رکھی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"مگر ہمیں وہ خانہ بھی خالی ملا ہے۔" کیپٹن نے بتایا۔ اس مرتبہ فصاحت کا ردّ عمل فوری تھا اس نے چونک کر کیپٹن کو دیکھا۔

"کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بولا "میں نے خود اسے رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"ہو تو سکتا ہے۔" کیپٹن نے کہا "ممکن ہے رقم بعد میں تم نے نکال لی ہو۔"

"یعنی آپ بھی یہ ہی سوچ رہے ہیں کہ قتل میں نے کیا ہے۔" فصاحت نے کچھ افسردگی سے کہا۔

"میں ابھی کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔" کیپٹن نے بتایا "لیکن اگر تم نے رقم دی تھی درپھر واپس بھی نہیں لی تو اس کا مطلب صرف یہ ہی ہو سکتا ہے کہ گلنار کے اور تمہارے لاوہ کوئی اور بھی اس رقم کی موجودگی سے واقف تھا۔"

"وہ گمنام بلیک میلر۔" فصاحت نے چونکتے ہوئے کہا۔

"جب تم مرشد آباد پر ٹرین میں سوار ہوئے تھے تو گلنار ڈبے میں اکیلی تھی یا کوئی ادر بھی اس کے ساتھ تھا۔"

"میں نے ایک پستہ قد آدمی کو اس کے ڈبے سے اترتے ضرور دیکھا تھا مگر میں ہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کے ساتھ تھا یا کوئی اور مسافر تھا۔"

"کب دیکھا تھا؟"

"مرشد آباد کے اسٹیشن پر۔" فصاحت نے بتایا "میں ابھی ڈبے سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اسے اترتے دیکھا۔ گلنار اس وقت کھڑکی میں کھڑی ہوئی مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔"

"اس آدمی کا حلیہ بتا سکتے ہو؟"

"میں اتنی دور تھا کہ اس کی شکل وصورت ٹھیک سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ تیس پینتیس سال کی عمر کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قد زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار فٹ ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے کھڑے ہوئے بال۔ چہرہ کچھ لمبوترا سا اور ہاں وہ ایک آنکھ سے ڈھیرا بھی تھا۔"

"اس کے بعد پورے سفر کے دوران تم نے اسے دوبارہ پھر کبھی دیکھا؟"

"جی نہیں۔"

"گلنار کسی خاص فلم کمپنی سے وابستہ تھی یا فری لانسر تھی؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم البتہ وہ اب تک رباب فلم پروڈکشن کی دو تین فلموں میں آچکی ہے۔"

"تمہارے بھائی صاحب بتا رہے تھے ایک زمانے میں تم اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ پھر یہ ارادہ کیوں تبدیل کر دیا؟"

"پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ محبت میں وفا کے بجائے ہرجائی پن کی قائل ہے۔" فصاحت نے بڑے تلخ لہجہ میں جواب دیا "میں اس سے ملنے شانور گیا اور میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایک ایسا کاغذی پھول ہے جو ہر رات ایک نئی سیج کا متلاشی رہتا ہے۔"

"تم نے کسی خاص شخص کو نوٹ کیا جس کے ساتھ وہ زیادہ تر رہتی ہو؟"

"دیکھا نہیں سنا تھا کہ کوئی ایک ایکسٹرا سپلائر ہے رشید وہ ہی اسے فلمی دنیا میں لایا تھا اور وہ ہی اس کے دلال کا فرض انجام دیتا تھا۔"

"گڑ والی اسٹیشن پر تمہارے اترنے کی کیا وجہ تھی جبکہ صرف ایک اسٹیشن بعد کریم آباد میں بہرحال تمہیں اترنا ہی تھا۔"

"اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں ایک پل بھی اس کے ساتھ سفر کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور مجبوری یہ تھی کہ اس نے خط تو دے دیئے تھے مگر لاکٹ دینے پر تیار نہیں تھی۔ یہ مشکل تمام میں پانچ ہزار کے مزید وعدے پر اس سے لاکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس جھگڑے میں ٹرین گڑ والی تک پہنچ چکی تھی۔ لاکٹ لینے کے بعد میں نے ایک لمحہ بھی اس کمپارٹمنٹ میں بیٹھنا گوارا نہیں کیا اور اسٹیشن آتے ہی اتر گیا۔"

"گڑ والی سے ٹرین چلنے، کریم آباد میں رکنے اور وہاں سے اترنے کے درمیان تم نے کوئی غیر معمولی بات تو نہیں کی۔"

"جی نہیں۔" فصاحت نے جواب دیا۔

کیپٹن شہزاد کچھ دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔ پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ فصاحت کی طرف دیکھا۔

"تمہیں اس بات پر خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ حالات کے ایک اتفاقی موڑ نے تمہیں پھانسی کے پھندے سے بچا لیا ورنہ واقعاتی شہادتیں تمہارے خلاف اتنی زبردست تھیں کہ شاید ہی کوئی عدالت تمہیں بے گناہ سمجھنے پر تیار ہوتی۔ بہرحال تم اب اپنے گھر جا سکتے ہو۔"

انسپکٹر مولا بخش جواب تک بڑی خاموشی سے کیپٹن شہزاد کے سوالات اور فصاحت کے جوابات سنتا رہا تھا، ایک دم چونک اٹھا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اس نے تیزی سے کہا "میں کل باقاعدہ فرد جرم عائد کر کے اسے عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ لینے کا ارادہ کر رہا تھا اور آپ اسے آزاد کر رہے ہیں۔"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں انسپکٹر۔" کیپٹن نے سخت لہجہ میں کہا "تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

مولا بخش تو اپنے نزدیک یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ کیپٹن اس کے اچھے خاصے کیس کا بیڑہ غرق کئے دے رہا ہے مگر اس کے اختیارات سے واقف تھا۔ جھلا کر پیر پٹختا ہوا اس کے

پیچھے حوالات سے باہر آگیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ جس دن تم نے فصاحت کو گرفتار کیا تھا اسی دن ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں ایک گداگر بچہ بھی لایا گیا تھا۔" کیپٹن شہزاد نے حوالات سے باہر آنے کے بعد کہا۔

"معمولی فقیروں کی گرفتاری و رہائی کے اسباب جاننا میری ڈیوٹی میں شامل نہیں۔ میرا تعلق ہومی سائیڈ ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔" مولابخش نے ناگواری سے کہا۔

"کم سے کم یہ ہی سوچا ہوتا کہ ایک فقیر کا بچہ ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں لایا گیا ہے۔"

"آپ ہی بتا دیجئے کیوں لایا گیا تھا۔"

"اس لیے کہ اس نے گڑوالی اسٹیشن پر فصاحت کے اترنے کے بعد گلنار کو زندہ دیکھا تھا۔" کیپٹن شہزاد نے بتایا۔

"کیا۔" مولابخش چونک کر کیپٹن کو گھورنے لگا۔

"وہ ان گداگروں میں سے ایک ہے جو ٹرین کے ڈبوں میں بھیک مانگا کرتے ہیں" کیپٹن نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "گلنار نے اسے بھیک دینے کے بجائے جھڑک دیا تھا۔ اس بات سے چڑ کر اس نے چوری کا ارادہ کر لیا۔ جیسے ہی فصاحت ڈبے سے اترا اس گداگر لڑکے نے ڈبہ میں جھانکا۔ گلنار ٹوائلٹ میں تھی۔ وہ کوئی قیمتی چیز چرانے کے خیال سے اندر گھسا۔ برتھ پر گلنار کا ریزگاری والا پرس پڑا ہوا تھا وہ اسے اٹھا کر ہینڈ بیگ بھی اٹھانا چاہتا تھا کہ گلنار باہر نکل آئی اور گداگر لڑکا صرف پرس پر اکتفا کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" مولابخش نے تیزی سے کہا "ایک لڑکے کی بات پر یقین کر کے قتل جیسے جرم میں مشتبہ شخص کو چھوڑ رہے ہیں۔"

"صرف لڑکے کی بات ہوتی تو میں نے اسے پہلے ہی رہا کر دیا ہوتا" کیپٹن شہزاد نے جواب دیا "تم بھول رہے ہو کہ دس ہزار روپیہ کی گم شدگی بھی فصاحت کے حق میں جاتی ہے۔ رقم اگر یونہی رکھی ہوتی تو یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ شاید گداگر لڑکے کی طرح کوئی اور ڈبے میں چڑھ گیا تھا اور رقم لے اڑا۔ مگر دس ہزار کے نوٹ سوٹ کیس کے خفیہ خانے میں

رکھے تھے وہاں سے کوئی ایسا ہی شخص انھیں اتنے کم وقت میں نکال سکتا تھا جو خانے کی موجودگی سے واقف ہو۔ حالات بتاتے ہیں کہ گلنار اپنی خوشی سے یا کسی دباؤ کے تحت ایک گمنام بلیک میلر کی آلۂ کار بنی ہوئی تھی۔ فنکشن میں شریک ہونے کے علاوہ اس سفر میں فصاحت سے دس ہزار روپیہ وصول کرنے کا پروگرام بھی بنایا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ بلیک میلر بھی گلنار کے ساتھ سفر کر رہا ہو اور اس نے ساری رقم خود حاصل کرنے کے لیے یا آئندہ گلنار کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس نے گلنار کو قتل کر دیا ہو۔ گلنار کو راستہ سے ہٹانے کا یہ موقع اس کے نقطۂ نظر سے یوں اور بھی مناسب تھا کہ قتل کا شبہ بڑی آسانی سے فصاحت کی طرف جا سکتا تھا۔"

"میری سمجھ میں آپ کی باتیں نہیں آتیں۔" مولابخش کوئی دلیل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا "میں تو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب سے صاف کہہ دوں گا کہ میں اس کیس میں کسی قسم کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوں۔"

رباب پروڈکشن کے چپراسی نے غور سے کیپٹن شہزاد کے بلند قد و قامت اور چہرہ مردانہ حسن کو دیکھا۔ یہ نوجوان اگر فلم میں ہیرو آ جائے تو بڑوں بڑوں کا چراغ گل کر دے۔ اس نے دل میں سوچا۔ ڈائریکٹر صاحب کو ہیرو کی تلاش بھی ہے۔ اگر لڑکا کہیں آ جائے تو تھوڑی بہت اپنی بھی چاندی ہو سکتی ہے۔

"دیکھو بابو صاحب" اس نے کیپٹن شہزاد کے ملاقاتی کارڈ کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا "یہاں ان گنت کے ٹکڑوں سے کام نہیں چلتا بڑے بڑے خوب صورت سجیلے جوان جانے کہاں کہاں سے سفارش لاتے ہیں مگر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ سیٹھ صاحب اور ڈائریکٹر دونوں میری بڑی بات مانتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی کی سفارش نہیں کی مگر نہ جانے کیوں تمہاری صورت دیکھ کر رحم آتا ہے۔ ضرور کسی بڑے گھر کے لڑکے

معلوم ہوتے ہو۔ میں ایک شرط پر تمہیں سیٹھ صاحب سے کہہ کر ہیرو کا چانس دلا سکتا ہوں۔"
"کیسی شرط؟" کیپٹن نے اس صورت حال سے لطف لیتے ہوئے پوچھا۔
"پانچ روپیہ اس وقت دو اور جب کنٹریکٹ ہو جائے تو ——————"
"کیا بات ہے چاچا خیرو۔" پیچھے سے ایک آواز آئی اور ساتھ ہی آواز کا مالک بھی قریب آ گیا۔
"سیٹھ صاحب آپ کی پکچر کے لیے ایک ہیرو تلاش کیا ہے میں نے۔" خیرو چپراسی نے جلدی سے کہا۔
سیٹھ صاحب نے سر سے پیر تک کیپٹن کو ناقدانہ نگاہوں سے دیکھا۔ کیپٹن اس وقت سادہ لباس میں تھا۔
"آپ کے چپراسی کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔" کیپٹن شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"میں کیپٹن شہزاد ہوں اور آپ سے ایک انتہائی ضروری معاملے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیپٹن شہزاد؟" خیرو نے منہ پھاڑا "باپ رے۔" وہ آہستہ سے بولا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔
"سیٹھ صاحب میں ایک پیکٹ بگلا لے کر ابھی آیا۔" اس نے جاتے ہوئے کہا
"معاف کیجئے گا کیپٹن صاحب وہ غریب آپ کو بھی ان سرپھرے نوجوانوں میں سے ایک سمجھ بیٹھا تھا جو فلم میں کام کرنے کے شوق میں یہاں منڈلاتے رہتے ہیں۔" سیٹھ صاحب نے غالباً کیپٹن کا نام پہلے کہیں سن رکھا تھا "آئیے اندر آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"
وہ چیز جسے سیٹھ صاحب نے آفس کا نام دیا تھا ایک چھ فٹ چوڑی اور دس فٹ لمبی کوٹھری سی تھی جس میں دونوں طرف دیواروں سے لگے ہوئے صوفے پڑے تھے اور سامنے ایک میز جس کی پشت پر ایک لوہے کی الماری کھڑی تھی۔
"بیٹھئے۔" سیٹھ صاحب نے صوفے کی طرف اشارہ کیا "میں نے آپ کے بارے میں اخبارات میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ اکثر سوچا بھی کہ کبھی آپ سے ملاقات کروں اور کہوں کہ اپنے کسی دلچسپ اور پراسرار کیس کے حالات ہمارے اسٹوری رائٹر صاحب کو

سنا دیں تو ہم ایک جاسوسی فلم بھی بنا ڈالیں۔ بہرحال یہ باتیں تو بعد کو ہوتی رہیں گی پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ کیا پئیں گے۔ چائے یا ٹھنڈا؟"
"اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں اپنے فرائض کے سلسلہ میں آیا ہوں۔" کیپٹن نے نرمی سے جواب دیا۔
"واہ صاحب۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ پہلی مرتبہ ہمارے دفتر تشریف لائے ہیں پھر آئندہ کے لیے آپ سے اور گہرے تعلقات ہونے کی امید ہے۔ کچھ نہ کچھ تو آپ کو پینا ہی پڑے گا۔"
"سیٹھ صاحب مجھے موجودہ فلمی دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں آپ کے اسٹوری رائٹر صاحب کو کہانیاں لکھنے کے لئے مواد فراہم کروں۔ آپ ان باتوں کو چھوڑیں اور جو چند سوالات میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، اپنی معلومات کی حد تک ان کا جواب دے دیں۔ بس یہ ہی میری خاطر تواضع ہو گی۔ آپ سمجھ گئے۔"
سیٹھ صاحب نے ایسا خشک مزاج پولیس آفیسر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک لمحہ پلکیں جھپکاتے ہوئے کیپٹن شہزاد کو دیکھا اور پھر جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے ایک گہرا کش لیا۔
"آپ کی مرضی۔" انہوں نے کندھے اچکائے "پوچھئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"
"آپ اخبار پڑھتے ہیں؟"
"اپن سالا اتنا پڑھا لکھا ہوتا تو ادھر فلمی دنیا میں کیوں آتا۔" سیٹھ صاحب تکلف چھوڑ کر اپنے روزمرہ انداز گفتگو پر آ گئے۔
"تو کسی اور نے بھی آپ کو یہ نہیں بتایا کہ گلنار جو آپ کی فلم پروڈکشن سے وابستہ تھی ٹرین میں قتل کر دی گئی ہے۔"
"اپنا ڈائریکٹر صاحب ہم کو بولا تھا۔" سیٹھ صاحب نے اثبات میں سر ہلایا "اپن تو پہلے ہی اس چھوکری کے لچھن دیکھ کر بولا تھا کہ بابا ایک دن یہ چھوکری ضرور خون خرابہ

کرائے گی۔ کیپٹن صاحب آپ کو کیا بتائیں کہ وہ لڑکی کتنا بدمعاش تھا۔ مرگیا تو مرگیا اپنا کو کوئی ڈانسر نہیں ملے گی کیا۔"

"آپ کسی آدمی کو جانتے ہیں جس کے ساتھ وہ بہت زیادہ دیکھی جاتی ہو"

"ارے کیپٹن صاحب کوئی ایک تھوڑی تھا جس کا اپن نام لیں گا۔ صبح کسی کے ساتھ شام کسی کے ساتھ۔"

"پھر بھی کوئی ان میں ایسا تو ہوگا جو اس کے ساتھ زیادہ تر رہتا ہو۔" کیپٹن نے کہا "مطلب ہے جس کے ساتھ وہ اسٹوڈیو آتی جاتی ہو۔ جو اس کے کاروباری معاملات کو دیکھتا ہو۔ اس کے لیے کنٹریکٹ حاصل کرتا ہو۔"

"تو ایسا بولو نا کیپٹن صاحب اپن سمجھا کہ آپ اس کے دوستوں کا بات کر پڑا ہے۔" سیٹھ صاحب نے ایک اور کش لگاتے ہوئے جواب دیا "ایسا آدمی تو ایکسٹرا سپلائر رشید ہی تھا۔ وہ ہی اس چھوکری کو لے کر آیا تھا۔"

"یہ رشید کہاں رہتا ہے۔"

"اپن کو تو پتہ نہیں ڈائریکٹر صاحب کو شاید معلوم ہو۔"

"ڈائریکٹر صاحب کہاں ملیں گے۔"

"ابھی تو فلور پر سیٹ لگواتا پڑا ہے۔ آپ بولو تو چپراسی کے ساتھ ادھر بھجوا دوں"

"ضرور۔" کیپٹن کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

ڈائریکٹر صاحب سیٹھ صاحب سے کچھ زیادہ معقول آدمی ثابت ہوئے۔

"جی ہاں۔" انہوں نے افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا "میں نے اخبار میں پڑھا تھا مگر سیٹھ صاحب آجکل دن رات شوٹنگ کرا رہے ہیں۔ اتنا وقت نہیں نکال سکا کہ اس سلسلہ میں پولیس سے رابطہ قائم کرتا۔ پھر جب سے وہ گئی ہے رشید بھی کہیں نظر نہیں آیا کہ اس سے کچھ معلوم ہوتا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ اس کے ساتھ ہی گیا ہوگا۔"

"آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ وہ دارالحکومت ایک فنکشن میں حصہ لینے جا رہی تھی"

"جی ہاں۔ رشید نے بتایا تو تھا۔ اسی لیے ہم نے سوچا تھا کہ اس کے ڈانس وغیرہ وہاں سے واپسی پر لیں گے۔"

"یہاں اسٹوڈیو میں اس کے تعلقات آپ لوگوں سے کیسے تھے۔"

"بہت بے تکلف لڑکی تھی۔ ہر ایک سے بہت جلد گھل مل جاتی تھی۔" ڈائریکٹر نے جواب دیا "مجھے ذاتی طور پر تو علم نہیں مگر اسٹوڈیو میں یہ افواہ ضرور سننے میں آئی تھی کہ رشید اسے بڑے بڑے آدمیوں کی کوٹھیوں پر لے جاتا ہے۔ شام کو کلبوں وغیرہ میں تقریباً ہر روز نئے آدمی کے ساتھ دیکھی جاتی تھی۔ اسٹوڈیو میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی شخص اس کے ساتھ دو تین مرتبہ سے زیادہ دیکھنے میں آیا ہو۔ ویسے کام میں بہت مستعد اور ہوشیار تھی۔"

"کسی سے دشمنی وغیرہ تو نہیں تھی۔"

"میرے علم کی حد تک تو نہیں تھی۔"

"میرا مطلب ہے کوئی رقابت وغیرہ کا چکر۔"

"اگر تھا بھی تو میں نے نہیں سنا۔" ڈائریکٹر صاحب نے جواب دیا "ویسے اس سلسلہ میں آپ رشید سے بات کریں تو وہ گلنار کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ علیمیا کالونی میں رہتا ہے۔"

وہ ایک آدمی کی طرف گھومے جو لائٹیں ٹھیک کر رہا تھا۔

"ابے فضلو یہ رشید ایکسٹرا سپلائر کے کوارٹر کا نمبر کیا ہے۔"

"چار سو دس بتاتے ہیں۔" فضلو نے جواب دیا "صرف دس کی کمی رہ گئی ورنہ چار سو بیس ہوتا۔"

ڈائریکٹر صاحب نے کیپٹن شہزاد کی طرف دیکھا۔

"شکریہ۔" کیپٹن نے جواب دیا اور چلنے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ کوئی خیال آجانے پر رک گیا۔

"ایک بات اور۔" اس نے ڈائریکٹر صاحب سے کہا "آپ رشید کا حلیہ بتا

سکتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ پستہ قد آدمی ہے۔ بمشکل ساڑھے چار فٹ۔ لمبا چہرہ۔ سر کے بال چھوٹے اور کھڑے ہوئے۔ کبھی کبھی الٹی آنکھ سے ڈھیرنے بھی لگتا ہے۔ ابھی فضلو نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ چار سو بیس ہیں صرف دس کی کمی ہے۔ بڑا چالاک آدمی ہے اور ایکسٹرا لڑکیوں کی آمدنی پر گزر اوقات کرتا ہے۔"

باب ۴

مولا بخش کو معلوم تھا کہ کیپٹن شہزاد گلنار کے بارے میں مزید حالات معلوم کرنے شانور گیا ہوا ہے۔ نواب زادہ فصاحت علی کے بارے میں آخر جب اس نے خود گداگر لڑکے سے سوالات کر لیے اور اتنا ہی نہیں بلکہ ڈائننگ کار کے بیرے کو لڑکے سے ملنے والا پرس دکھا کر یہ معلوم کر لیا کہ اس نے یہ ہی پرس گلنار کے پاس دیکھا تھا تو اسے بھی کچھ کچھ یقین ہونے لگا تھا کہ شاید کیپٹن شہزاد کا خیال ہی درست ہو۔ گلنار کا قتل فصاحت نے نہیں کیا۔ اور جب اس نے نہیں کیا تو لازمی طور پر اس کا قاتل وہ شخص ہوگا جس نے سوٹ کیس سے دس ہزار روپے نکالے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولا بخش کو وہ پستہ قامت آدمی بھی یاد آیا جس کے بارے میں فصاحت نے بتایا تھا کہ اسے گلنار کے ڈبہ سے اترتے دیکھا تھا۔ ممکن ہے وہ ہی قاتل بھی ہو۔ مولا بخش نے سوچا کیپٹن شہزاد شانور میں ضرور اس کے بارے میں بھی پتہ لگانے کی کوشش کرے گا۔ مگر جہاں تک حالات ظاہر کرتے تھے اس شخص کو گرڈوالی، کریم آباد یا دارالحکومت کا سٹی اسٹیشن ان تین مقامات میں سے کسی جگہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ دس ہزار روپیہ اسی فاصلے کے درمیان چرایا جا سکتا تھا چنانچہ ان اسٹیشنوں پر جا کر معلوم کیا جائے کہ کسی نے اس پستہ قد ڈھیری آنکھ والے کو تو نہیں دیکھا۔

کیپٹن شہزاد کی عدم موجودگی نے مولا بخش کے ارادے پر تازیانہ کا کام کیا اور وہ اس لالچ میں کہ اس کی واپسی سے پہلے قاتل کو گرفتار کر لے فوراً عمل پر آمادہ ہو گیا ایک ہی دن میں تینوں اسٹیشنوں کا طوفانی دورہ کیا۔ ہر اسٹیشن کے پورے عملے سے کرید کرید کر سوالات کئے مگر گرڈوالی اور کریم آباد میں تو کسی نے ایسے شخص کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ سٹی اسٹیشن پر ایک قلی نے دیکھا بھی تھا تو وہ یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی آنکھیں ڈھیری تھیں

یا نہیں۔ مولا بخش نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق اس کمزور ثبوت پر ہی تحقیق کی گاڑی آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔ شہر کے تمام چھوٹے بڑے ہوٹلوں کو فون کر ڈالے۔ جہاں فون نہیں تھا وہاں کانسٹیبل بھیج کر معلوم کرایا کہ گزشتہ ایک ہفتہ میں کوئی ایسا آدمی تو آ کر نہیں ٹھہرا جس کا قد ساڑھے چار فٹ اور آنکھیں ڈھیری ہوں مگر کہیں سے کوئی امید افزا جواب نہیں ملا۔

دن بھر کی محنت شاقہ کے بعد تھکا ہارا مولا بخش رات کے گیارہ بجے کے بعد جیپ ہیڈکوارٹر سے پولیس جیپ میں اپنے گھر کے لیے روانہ ہُوا تو اتنا چڑچڑا اور جھلایا ہُوا تھا کہ بات بات پر جیسے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ اس مزاجی کیفیت میں ظاہر ہے کہ جب اس نے اپنی جیپ کے سامنے ایک سیکنڈ ہینڈ کار کو اس طرح لہراتے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کو اسٹیرنگ کاٹتا تو کار بھی اسی طرف آ جاتی۔ وہ داہنے ہاتھ کو موڑتا تو کار داہنی طرف آ جاتی۔ تو اس کا پارہ ایک دم اُوپر چڑھ گیا۔ اس نے جلدی سے ایک گلی میں جیپ موڑ دی اور پوری رفتار سے بھگاتا ہوا دو تین گلیوں کو پار کر کے دوبارہ مین روڈ پر اس طرح آ نکلا کہ سیکنڈ ہینڈ کار ابھی پچاس گز پیچھے تھی اور اسی طرح لہراتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ مولا بخش نے جیپ سڑک کی چوڑائی میں کھڑی کر دی اور اتر کر نیچے آ گیا۔

سیکنڈ ہینڈ کار تقریباً چالیس گز تک اسی انداز اور اسی رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ڈرائیور نے جیپ کو یا مولا بخش کو دیکھا تک نہ ہو۔ پھر جب فاصلہ دس گز سے بھی کم رہ گیا تو کار کے ڈرائیور کو ہوش آیا۔ اس نے پوری طاقت سے بریک لگائی لیکن کار رکتے رکتے بھی جیپ سے ٹکرا گئی۔ ٹکر بہت آہستہ تھی۔ بس صرف اتنی جیسے کوئی دوست کسی دوست کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر ہیلو کہتا ہے۔ مولا بخش نے دیکھا کہ ایک بھاری بھرکم جسم والا آدمی جس کی عمر پچاس سال سے کسی طرح کم نہیں تھی جھومتا ہوا کار سے نیچے اُترا۔ پہلے کار اور جیپ کا معائنہ کیا پھر مولا بخش کی طرف گھوما۔ اتنی دیر میں مولا بخش بھی غصہ میں کھولتا ہُوا اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔

"شراب پی کر کار چلاتے ہو۔" مولا بخش نے اس کا گریبان پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" آدمی جیسے ناک میں بولا "پھر کیا پٹرول پی کر کار چلانا چاہیے۔ ایک تو بیچ سڑک پر راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہو اوپر سے دھونس جماتے ہو۔"

مولا بخش نے کار میں دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔

"یہ کون ہے۔" اس نے پوچھا

"شش۔" موٹے آدمی نے ہونٹوں پر انگلی رکھی "آہستہ بولو یار کوئی سن لے گا۔"

"سن لے گا تو پھر کیا ہُوا۔"

"تمہیں پتہ نہیں یہ سالا پولیس کے ڈر سے اِدھر اُدھر چھپتا پھر رہا ہے۔" موٹا آدمی جھومتے ہوا بولا۔

"کیوں۔"

"مجھے کیا معلوم۔ بڑی موٹی رقم ہے اس کے پاس۔ ضرور کہیں سے چوری کر کے لایا ہے۔"

"مگر یہ ہے کون۔"

"فلم والوں کو لڑکیاں سپلائی کرتا ہے۔ میرا دوست ہے آج کئی دن ہوئے کہ میرے پاس آیا۔ میں نے کہا ابے رشید تو تو سالے شانور میں مزے کر رہا تھا یہاں کیسے آمرا۔ کہنے لگا وہاں دھندا کچھ مندا ہے ذرا اِدھر کی مارکٹ دیکھنے آیا ہوں مگر جب دو دن تک اس نے گھر سے قدم باہر نہیں نکالا تو میں نے کہا ابے اس طرح مارکٹ دیکھی جاتی ہے۔ گھر سے باہر نہیں نکلے گا تو لوگ کیسے جانیں گے۔ پہلے تو ٹالتا رہا پھر جب میں نے بہت کہا سنا تو بتایا کہ آجکل ذرا چکر میں آ گیا ہوں۔ پولیس والوں کے ڈر سے باہر نہیں نکلتا۔ میں نے بہت پوچھا کہ آخر کیوں۔ مگر میرے یار نے نہ بتانا تھا نہ بتایا۔ اب ذرا پڑوسیوں سے میرے ساتھ رات کے اندھیرے میں پینے پلانے جانے لگا ہے۔ مگر یہ تم ٹارچ جلا کر کیا دیکھ رہے ہو۔"

مولا بخش اتنی دیر میں جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر پچھلی سیٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم نے شاید ٹھیک سے نہیں سنا۔" موٹا آدمی قریب آ کر بولا وہ گرنے سے بچنے کے لیے کار کا سہارا لیے کھڑا تھا "لڑکیاں سپلائی کرتا ہے خود لڑکی نہیں ہے۔"

"شٹ اپ" مولا بخش بدستور پچھلی سیٹ پر دیکھتے ہوئے بولا۔

لیٹنے والا جو کوئی بھی تھا اوندھے منہ سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔ مولا بخش نے کار کا دروازہ کھولا۔ اندر قدم رکھتے ہوئے اس نے الٹے ہاتھ میں ٹارچ پکڑی اور سیدھے ہاتھ سے لیٹے ہوئے آدمی کے سر کے بال پکڑ کر چہرہ اٹھانا چاہا مگر بال بہت چھوٹے تھے۔ اس نے کوٹ کا کالر پکڑ کر اوپر اٹھایا اور ٹارچ کی روشنی منہ پر ڈالی۔

"ابے او گدھے کی اولاد۔" آدمی نے آنکھیں مچمچاتے ہوئے کہا "یہ لالٹین بند کر اور مجھے سونے دے۔"

مولا بخش چونک گیا۔ یہ لمبا چہرہ۔ ڈھیری آنکھیں۔ اس نے جلدی سے ٹارچ کی روشنی اس کے باقی جسم پر ڈالی جو کسی طرح ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

○

پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر دونوں کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ موٹا آدمی ایک مقامی اسٹوڈیو کا ایکسٹرا اسپلائر منور تھا اور اسے یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اس نے نشے کی حالت میں دوست کا راز فاش کر دیا۔

"خدا کی قسم رشید بھائی میں نے کچھ بھی تو نہیں کہا تھا۔ انسپکٹر صاحب خود ہی سڑک پہ مورچہ بنائے کھڑے تھے۔ اب طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے ڈاکٹروں نے تمہیں تبدیلی آب و ہوا کا مشورہ دیا ہو اور آرام کرنے کی ہدایت کی ہو تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوا کہ تم پولیس کے ڈر سے گھر میں چھپے بیٹھے تھے۔"

"بکواس بند کرو۔" مولا بخش اب اس موٹے سے عاجز آ چکا تھا "اگر تم نے ایک حرف بھی منہ سے نکالا تو تمہاری خیریت نہیں۔"

"تم خاموش رہو منور بھائی۔" رشید نے خوف زدہ ہونے کے باوجود بڑی ہمت سے کہا "میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ انسپکٹر صاحب اپنی پولیس والی دھمکیوں سے ہمیں

مرعوب کر کے زبردستی کسی جرم کا اعتراف نہیں کرا سکتے۔"

مولا بخش دل ہی دل میں اس لاف زنی پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ بات صرف فصاحت کے بتائے ہوئے حلیہ سے مطابقت یا منور کی بہکی ہوئی باتوں تک ہوتی تب تو وہ کچھ سوچتا بھی مگر اب تو وہ رشید کی کمر سے بندھے ہوئے نو ہزار سے زیادہ نئے نئے نوٹ برآمد کر چکا تھا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ یہ وہی رقم ہے جو فصاحت نے بلیک میلنگ کے سلسلہ میں گلنار کو ادا کی تھی اور یہ کہ رشید وہی شخص ہے جسے فصاحت نے گلنار کے ڈبہ سے اترتے دیکھا تھا۔ رقم کی موجودگی میں مولا بخش کو کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ رشید ہی گلنار کا قاتل ہے۔

"تمہارا نام رشید ہے۔" اس نے پوچھا۔

"اگر ہے تو پھر کیا ہوا۔ رشید نام رکھنا جرم ہے۔"

"اور تم نے گلنار کے ساتھ مل کر نواب زادہ فصاحت علی کو بلیک میل کرنے کی اسکیم بنائی تھی۔"

"میں کسی نواب زادہ فصاحت علی کو نہیں جانتا۔"

"تم نے فصاحت علی کو گمنام خطوط نہیں لکھے۔"

"نہیں۔"

"تم نے گلنار کے ساتھ شانور سے مرشد آباد تک ایک ہی ڈبے میں سفر نہیں کیا۔"

"میں گلنار کا ایجنٹ تھا اور اس کے ساتھ فنکشن میں شریک ہونے آ رہا تھا۔"

"پھر تم مرشد آباد پر اتر کیوں گئے۔"

"گلنار کی خواہش پر۔" رشید نے جواب دیا۔ "اس نے بتایا تھا کہ مرشد آباد سے کوئی رئیس زادہ اس کے ڈبہ میں سوار ہونے والا ہے اور وہ نہیں چاہتی کہ وہ مجھے اس کے ساتھ دیکھے۔ اس نے کہا تھا کہ میں کسی دوسرے ڈبہ میں جا کر بیٹھ جاؤں اور فنکشن میں شریک ہونے تک اس سے ملنے کی کوشش نہ کروں۔"

"کیوں۔"

"اس کا جواب تو گلنار ہی دے سکتی تھی۔"

"تم نے مرشد آباد اترنے کے بعد دوبارہ اسے نہیں دیکھا۔"

"بالکل نہیں۔"

"اور نہ یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کون سا رئیس زادہ ہے جس کی خاطر اس نے تمہیں ڈبے سے نکال دیا تھا۔"

"میں یہ بات چھپانے کی کوشش نہیں کروں گا کہ گلنار ڈانسر ہونے کے ساتھ ایک اونچے درجہ کی طوائف بھی تھی۔" رشید نے جواب دیا "اور میرا اس کا معاہدہ تھا کہ میں صرف اس کے فلمی کاروبار کا ایجنٹ ہوں اس کے دوسرے معاملات میں اپنی ٹانگ اڑانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"گویا تم نے اسے سٹی اسٹیشن پر بھی نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔" رشید نے جواب دیا۔

"فنکشن کب تھا۔"

"دوسرے دن۔"

"پھر تم فنکشن میں نہیں گئے تھے۔"

"نہیں۔"

"کیوں۔"

"میں ——— میں نے دوسرے دن صبح اخبار میں اس کی موت کی خبر پڑھ لی تھی۔"

"اس کے باوجود تم نے پولیس سے رابطہ قائم کرنے اور لاش حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"نہیں، مرنے کے بعد اسے کسی ایجنٹ کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔"

"بہت خوب۔" مولا بخش نے طنزیہ لہجہ میں کہا "یہ نو ہزار تین سو روپے جو تمہارے پاس پائے گئے کس کے ہیں۔"

"میرے ہیں اور کس کے ہوتے۔" رشید نے جواب دیا۔

"تمہارے دوست نے کہا تھا کہ تم پولیس کے ڈر سے اس کے گھر چھپے ہوئے ہو۔ تمہیں کس بات کا خوف تھا۔"

"کسی بات کا نہیں۔" رشید نے کہا "یہ بات کہتے وقت منور شراب کے نشے میں تھا۔ تم ایک شرابی کے الفاظ بطور شہادت استعمال نہیں کر سکتے۔"

اتنے سوالات کے بعد مولا بخش نے بڑی بے بسی کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ رشید کے خلاف اس کے پاس محض قیاسات تو ہیں مگر کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ کوئی ایسا ثبوت جسے دیکھ کر وہ اپنے جرم کا اقبال کر لے۔

"تم جھوٹ بول کر اپنے لئے پریشانی مول رہے ہو رشید۔" اس نے جھلا کر کہا "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے گلنار کے ساتھ مل کر نواب زادہ فصاحت علی کو بلیک میل کرنا چاہا تھا۔ گلنار نے اس سے دس ہزار کی رقم ساتھ لے کر مرشد آباد کے اسٹیشن پر تھرٹین ڈاؤن ٹرین پر ملنے کے لئے کہا تھا۔ فصاحت علی نے اپنے خطوط اور لاکٹ حاصل کر کے دس ہزار روپیہ گلنار کو دے دیئے۔ گلنار نے وہ رقم اپنے سوٹ کیس کے خفیہ خانے میں رکھ لی۔ فصاحت علی گڑدالی پر اتر گیا۔ تم موقع کی تاک میں تھے۔ فوراً گلنار کے پاس پہنچے۔ یا تو پہلے ہی سے تمہارا ارادہ اسے قتل کر کے پوری رقم پر قبضہ کرنے کا تھا یا پھر رقم کی تقسیم کے وقت جھگڑا ہوا اور تم نے مشتعل ہو کر اسے قتل کر دیا۔"

رشید نے مولا بخش کے لہجہ سے اس کی بیچارگی محسوس کر لی۔ وہ سمجھ گیا کہ پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔

"اگر تم یہ سب کچھ ثابت کر سکتے ہو انسپکٹر۔" اس نے ایک طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا "تو میں اسی وقت پھانسی پر چڑھنے کے لئے تیار ہوں۔"

"آپ نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے کیپٹن۔" مولا بخش نے بڑے شکائتی لہجہ میں کہا "فصاحت کو آزاد کر کے رشید کو گرفتار کیا ——"

"اور میں اسے تمہارا بہت بڑا کارنامہ خیال کرتا ہوں۔" کیپٹن مسکرایا "میں شاتو رمیں اس کے لئے پریشان ہوتا رہا اور تم نے گھر بیٹھے —— با صحیح معنوں میں ہیڈ کوارٹر بیٹھے اسے پکڑ لیا۔"

"مگر کیا فائدہ۔ وہ کسی طرح گلنار کو قتل کرنے کا اعتراف نہیں کرتا۔"

"انسپکٹر اگر قاتل اور مجرم خود سے اعتراف کرنے لگیں تو ہماری کیا ضرورت باقی رہ جائے گی۔"

"لیکن کوئی ثبوت بھی تو ہو۔"

"ثبوت میرے پاس ہے۔" کیپٹن شہزاد نے کرسی سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا۔" مولا بخش چونک گیا" اور —— اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"میرے ساتھ حوالات تک چلو ابھی معلوم ہو جائے گا۔" کیپٹن نے جواب دیا۔

وہ اور مولا بخش آگے پیچھے کیپٹن کے پرائیویٹ آفس سے باہر آئے۔

"سارجنٹ۔" کیپٹن نے شریف کی میز کے قریب سے گزرتے ہوئے کہا "ذرا انسپکٹر عزیز کو فون کر دینا کہ میں نے جن لوگوں کو بلایا تھا وہ آ گئے ہوں تو انہیں فوراً حوالات بھیج دے۔"

"بہت بہتر۔" شریف نے ریسیور اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

کیپٹن شہزاد مولا بخش کے ساتھ آفس سے باہر آ گیا۔

"آپ کی باتیں بڑی پُراسرار ہوتی ہیں کیپٹن۔" مولا بخش نے ساتھ چلتے ہوئے کہا "یہ کون لوگ ہیں جنہیں آپ نے حوالات میں بلایا ہے۔"

"تم ابھی دیکھ ہی جو لو گے۔" کیپٹن شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے ایک گھنٹہ پہلے انہیں آنے کے لیے کہہ دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ——"

"کہ اگر تم اس وقت میرے پاس نہ بھی آتے تب بھی میں کچھ دیر میں حوالات پہنچنے ہی والا تھا۔" کیپٹن نے اس کا فقرہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔

حوالات میں پہنچ کر ایک مرتبہ پھر رشید کو بلایا گیا۔ آہنی سلاخوں کے پیچھے دو دن گزارنے کے بعد رشید پہلے سے کہیں زیادہ مطمئن اور بے خوف نظر آ رہا تھا۔ اب تک مولا بخش کئی مرتبہ اسے بلا کر طرح طرح کے سوالات اور دھمکیوں کے ذریعہ قتل کا اعتراف کرانے کی کوشش میں ناکام ہو چکا تھا۔ لیکن اس مرتبہ رشید نے مولا بخش کے ساتھ ایک نئی صورت دیکھی تو کچھ کھٹکا۔

"رشید میرا خیال ہے کہ تجھے تعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تم کیپٹن شہزاد کو جانتے ہی ہو گے۔" مولا بخش نے کہا۔

"کیپٹن شہزاد۔" رشید کی آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ نام بھلا وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ جب سے وہ منور کے گھر پناہ گزیں ہوا تھا۔ منور اس سے بار بار کہہ چکا تھا کہ اس نے یہاں آ کر سب سے بڑی حماقت کی ہے۔ یہ کیپٹن شہزاد کا شہر ہے اور اگر وہ سچ مچ کوئی جرم کر چکا ہے تو اسے یقین کر لینا چاہئے کہ جلد یا بدیر کیپٹن کا لمبا ہاتھ اسے قانون کے حوالے کر کے ہی دم لے گا۔

کیپٹن شہزاد نے غور سے رشید کی طرف دیکھا اور رشید کو محسوس ہوا جیسے یہ تیز نظریں اس کے دل و دماغ کے تمام حصار توڑتی ہوئی گہری اور گہری اترتی چلی جا رہی ہیں۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں جھکا لیں۔

"تو تم کہتے ہو کہ جب تم کریم آباد کے اسٹیشن پر گلنار کے ڈبے میں داخل ہوئے تو تمام کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں —— جی نہیں۔" رشید نے جلدی سے کہا "میں انسپکٹر صاحب سے کہہ چکا ہوں کہ مرشد آباد پر اتر کر دوسرے ڈبے میں بیٹھنے کے بعد میں گلنار سے نہیں ملا۔ آپ الفاظ کے الٹ پھیر سے مجھ سے کوئی اعتراف نہیں کرا سکتے۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" کیپٹن نے کہا "کیا تم کریم آباد پر اس کے کمپارٹمنٹ میں

نہیں گئے تھے۔"

"جی نہیں۔"

"مگر میرے پاس دو گواہ ہیں جنہوں نے تمہیں گلنار کے ڈبے میں جاتے دیکھا تھا۔"

رشید نے گھبرا کر کیپٹن کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بھی پولیس افسروں والی کوئی ترکیب ہے یا اس میں کوئی حقیقت بھی ہے۔

"جب میں ڈبے میں گیا ہی نہیں تو کوئی مجھے جاتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا ہے۔" اس نے ہمت کر کے جواب دیا۔

"مگر وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا تھا۔"

"ممکن ہے انہیں غلط فہمی ہو رہی ہو۔"

"ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں نے انہیں یہاں بلایا ہے۔" کیپٹن نے مولا بخش کی طرف دیکھا "ذرا دیکھنا انسپکٹر وہ دونوں آ گئے یا نہیں۔"

مولا بخش باہر نکل گیا۔ دوسرے منٹ وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو افراد اور تھے۔ ایک وہ گداگر لڑکا دوسرا کوئی قلی معلوم ہوتا تھا۔

"یہ لڑکا ٹرین میں بھیک مانگا کرتا ہے اور تھرٹین ڈاؤن ٹرین میں موجود تھا۔" کیپٹن نے بتایا "اور یہ کریم آباد اسٹیشن کا ایک قلی ہے۔"

کیپٹن نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟"

"جی ہاں۔" قلی نے اثبات میں سر ہلایا "یہ وہ ہی ہے۔"

"اور تم۔" کیپٹن نے لڑکے سے پوچھا۔

"یہ ہی آدمی ہے صاحب۔" لڑکے نے فوراً جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" کیپٹن نے کہا۔ قلی اور لڑکا واپس چلے گئے۔

رشید کا یہ حال تھا کہ اس کا چہرہ رفتہ رفتہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں خوف و دہشت کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ وہ ہمت جس کا مظاہرہ اس نے اب تک کیا تھا۔

ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔

"اب بتاؤ رشید کیا کہتے ہو۔ گلنار کے ڈبے میں گئے تھے یا نہیں۔" کیپٹن نے سخت لہجہ میں پوچھا۔

"کیپٹن صاحب خدائی قسم میں نے گلنار کا خون نہیں کیا۔" رشید دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا "میں دوبارہ اس کے ڈبہ میں گیا ضرور تھا مگر کوئی اسے پہلے ہی قتل کر چکا تھا۔ میں نے اسے اسی طرح سیٹ سے نیچے گرا ہوا پایا تھا۔"

مولا بخش کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے چونک کر پہلے کیپٹن شہزاد کی طرف دیکھا اور پھر رشید کی جانب۔

"وہ گمنام خط تم نے ہی نواب زادہ فصاحت علی کے نام تحریر کئے تھے۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" رشید نے جواب دیا "ایک دن اتفاق سے گلنار کی الماری میں مجھے نواب زادہ کے خطوط نظر آ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی بنیاد پر بڑی آسانی سے اسے ڈرا کر روپیہ وصول کیا جا سکتا ہے اور میں نے ان میں سے دو چار خاص خاص خط نکال لئے۔ گلنار کو شروع میں اس بات کا خیال نہیں آیا تھا چنانچہ جب نواب زادہ نے اس سے اپنے خطوط واپس مانگے تو اس نے فوراً واپس کر دیئے۔ مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں نے سوچا کہ ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے یا ہونے والی ہے جس کی وجہ سے نواب زادہ کو ان خطوط سے خطرہ محسوس ہوا ہو گا۔ میں نے مرشد آباد جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ نواب حیدر گڑھ کی بیٹی سے اس کی شادی طے پا گئی ہے۔ یہ موقع اس سے ایک بڑی رقم حاصل کرنے کے لیے بہترین تھا۔ میں نے گلنار کے سامنے اپنی اسکیم رکھی اور وہ فوراً تیار ہو گئی۔ باقی حالات آپ کو معلوم ہی ہیں۔"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔" مولا بخش نے جوش کے ساتھ کہا "بلیک میل کرنے کی اسکیم کا اعتراف کرنے کے بعد اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی تمہارے اس بیان پر یقین کرے گا تو یہ تمہاری حماقت ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رقم کی تقسیم یا پوری رقم خود حاصل کرنے

کے معاملے میں تمہارا اگنار سے اختلاف ہُوا اور تم نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔"

"نہیں نہیں۔ خدا کی قسم نہیں۔ میں گیا تو وہ مری پڑی تھی۔"

"ڈبے کی کھڑکیاں اور دروازہ تم نے بند کئے تھے۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" رشید نے بتایا "میں نے دیکھا کہ کسی نے اسے قتل کر دیا ہے تو مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ اگر پولیس کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں اس کے ساتھ تھا تو پھر کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ اسے میں نے نہیں مارا ہے۔ میں نے اس کے سوٹ کیس کے خفیہ خانے سے رقم نکالی اور لاش کی دریافت کو زیادہ سے زیادہ ٹالنے کے لیے تمام کھڑکیاں اور پلیٹ فارم کی طرف کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور خود دوسرے دروازے سے اُتر کر اپنے ڈبے میں جا بیٹھا۔"

کیپٹن شہزاد حوالات سے باہر آیا تو اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

○

سارجنٹ شریف نے ڈرائنگ رُوم میں قدم رکھا تو شہزادہ علی وہ موٹا سا رجسٹر کھولے بیٹھا تھا جو گزشتہ دو تین ہفتوں سے اس کی توجہ کا مرکز بنا ہُوا تھا۔

"السلام علیکم۔" شریف نے مسکراتے ہُوئے کہا "آپ تو فنکشن کے بعد ایسے غائب ہُوئے کہ نہ گھر پر ملتے ہیں نہ کیفے سکون میں۔"

"وعلیکم السلام۔" شہزادہ نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا "ضرور کسی غلط وقت پر آئے ہو گے۔"

"غلط وقت کیا معنی۔ میں کل صبح دفتر جاتے ہُوئے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے بھی آیا تھا۔ مگر آغا صاحب نے بتایا کہ آپ کہیں گئے ہُوئے ہیں۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ ہم جھُوٹ بول رہے ہیں اور تمہارے بل کی ادائیگی سے بچنے کے لیے ادھر ادھر منہ چھپائے پھر رہے ہیں۔"

"جی ہاں۔" شریف نے حیرت ظاہر کی "میں نے یہ کب کہا کہ ——"

"اچھا زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتاؤ کتنی رقم کا بل ہے تمہارا۔"

"کیسا بل۔ آپ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں۔" شریف نے صوفے پر بیٹھتے ہُوئے پُوچھا۔

"کیوں۔ کیا تم ڈیکوریشن والوں کی طرف سے نہیں آئے۔" شہزادہ نے رجسٹر سے نظریں اٹھا کر شریف کو دیکھا اور پھر بولا "اوہ سارجنٹ صاحب۔"

"شکر ہے کہ آج آپ نے اپنی نوٹ بک دیکھے بغیر پہچان لیا۔" شریف ہنسا "مگر اس غلط فہمی میں یہ بات بھی کھل گئی کہ آپ نے ابھی ڈیکوریشن والوں کا بل ادا نہیں کیا ہے۔"

"کہاں سے ادا کریں لوگوں نے کچھ باقی ہی نہیں چھوڑا۔"

"کیا سب سیلاب زدگان کے فنڈ میں دے دیا۔"

"کیسا فنڈ۔" شہزادے نے کہا "فنڈ کا نمبر بھی تو اخراجات ادا کرنے کے بعد ہی آتا۔"

"کیا مطلب۔" شریف نے حیرت سے کہا "یعنی بیس پچیس ہزار کے ٹکٹ بکے تھے وہ ——"

"وہ سب انتظامیہ کمیٹی نے اخراجات کی مد میں دکھا دیئے ہیں۔" شہزادہ علی نے جواب دیا "یار لوگوں کی چالاکی دیکھو۔ ہمیں استقبالیہ کمیٹی میں رکھ دیا اور خود کھایا کمیٹی میں ہو گئے۔ تسلی کے لیے ہمارے ہاتھ میں رجسٹر دے دیا اور کیش اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اب ہم یہ اخراجات دیکھ رہے ہیں اور اپنا سر پیٹ رہے ہیں۔"

"مگر سوال تو یہ ہی ہے کہ اتنے اخراجات ہو کیسے گئے۔"

"اخراجات کا کیا ہے اور پھر ایسے اخراجات۔" شہزادہ نے رجسٹر اٹھایا "ذرا سنو۔ مہمانوں کے لئے سگرٹ پان پانچسو روپیہ کے۔ کولڈ ڈرنک ایک ہزار روپیہ۔ سگرٹ پان اور کولڈ ڈرنک لانے کے لیے خرچہ آمد و رفت دو ہزار روپیہ۔"

"کیا!" شریف کا منہ حیرت سے کھل گیا "خرچہ آمد و رفت دو ہزار روپے!"

"سنتے جاؤ۔" شہزادے نے کہا "ہم نے انتظامیہ کمیٹی کے سیکریٹری صاحب سے پوچھا کہ بھائی پانچسو روپیہ کے سگریٹ منگوانے کی کیا ضرورت تھی۔ بولے پان سگریٹ تو اصل میں ڈھائی سو کے آئے تھے مگر ہوا یہ کہ جب پہلی مرتبہ ہم نے ایک کارکن کو ڈھائی سو روپیہ دے کر بھیجا تو اس کی جیب کٹ گئی۔ مجبوراً دوبارہ ڈھائی سو خرچ کرنا پڑے۔ ہم نے کہا اور یہ ایک ہزار کا کولڈ ڈرنک۔ بولے فیکٹری سے لاتے ہوئے دس کریٹ پھسل کر گر پڑے۔ ساری بوتلیں چکنا چور ہو گئیں۔ فیکٹری والوں کو ساڑھے چھ سو روپیہ نقصان کا دینا پڑا۔ اب آپ آمد و رفت کے بارے میں پوچھیں گے اس لیے وہ میں خود ہی بتائے دیتا ہوں۔ شہر میں کولڈ ڈرنک کی قلت ہے ہم نے اپنے بیس کارکنوں کو دوڑا دیا کہ جہاں کہیں سے اور جتنی بوتلیں مل سکیں لے آؤ۔ شام کو ان کی جدوجہد سے ضرورت کے مطابق بوتلیں تو اکٹھی ہو گئیں مگر ہر ایک نے رکشہ اور ٹیکسی کے کرایہ کی مد میں دس دس روپے وصول کر لیے۔ اب حساب آپ لگا لیں پورے دو ہزار ہوتے ہیں یا نہیں۔"

"سیکریٹری صاحب نے سچ مچ یہ ہی کہا تھا یا آپ حسب عادت شرارت فرما رہے ہیں!" شریف نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کمال ہے۔ شرارت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمہارے سامنے رجسٹر رکھا ہے خود دیکھ لو۔"

"گویا اتنی دوڑ دھوپ اور محنت شاقہ کے بعد بھی سیلاب زدگان کے لیے کچھ نہیں کیا جا سکا!"

"واہ کیا کیوں نہیں جا سکا۔" شہزادہ علی نے جواب دیا "آخر یہ اتنی پبلسٹی ہوئی۔ ناچ گانا ہوا۔ کھانا پینا ہوا۔ پورے پندرہ دن نہ جانے کتنے خدا کے بندے دھندے سے لگے رہے۔ یہاں تک کہ ملک کی ایک نامور فنکارہ نے اس جدوجہد میں اپنی جان کی قربانی بھی پیش کر دی۔ اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ ہم تو سوچ رہے ہیں کہ

حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مرحومہ فنکارہ کو اس سال خدمت کا صدارتی ایوارڈ دینے کا اعلان کرے کہ وہ انسانیت کے عظیم تر مقصد کی راہ میں قتل کی گئی ہے۔"

"جی ہاں اب بلیک میلروں کو صدارتی ایوارڈ دیئے جائیں گے۔"

"بالکل دیئے جائیں گے۔" شہزادہ علی نے جواب دیا "اگر انسانیت کی ترقی معکوس کا یہ ہی حال رہا تو وہ دن کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔"

"وہ جو آپ اس سے بھی بڑے ایک فنکشن کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اس کا کیا رہا!" شریف نے پوچھا۔

"فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔"

"کیوں؟" شریف نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا اس لیے کہ اب آپ کو اس کاروبار میں کوئی منافع نظر نہیں آ رہا ہے!"

"یہ وجہ بھی ہے مگر اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس ملک کی نامور خواتین فنکاروں کے تار اور خطوط آ رہے ہیں کہ آئندہ وہ کسی ایسے فنکشن میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں جس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر ہم ہوں۔"

"مگر انھیں کیسے معلوم ہوا کہ آپ کوئی اور فنکشن کرنے والے ہیں۔ کیا آپ نے ——"

"نہیں ہم نے تمہارے علاوہ کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔" شہزادے نے بات کاٹتے ہوئے کہا "وہ صرف حفظ ماتقدم پر عمل کر رہی ہیں۔"

اسی وقت آغا شامت چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئے۔

"کمال ہے۔" شریف بولا "آج تو بغیر مانگے مل رہی ہے۔"

"جی ہاں" آغا شامت نے جواب دیا "سرکار نے حکم دیا ہے کہ جب ہر آنے والا بغیر چائے پیئے اٹھنے کا نام نہیں لیتا تو پھر آتے ہی چائے پلا دیا کرو۔ اس طرح کم سے کم جلدی پیچھا چھوٹ جایا کرے گا۔ بقول شاعر دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا۔"

"آغا صاحب آپ نہایت نون الف معقول آدمی ہیں۔" شہزادے نے منہ بناتے ہوئے کہا "ہم نے یہ بات اپنے مہمانوں کے سامنے بیان کرنے کی ہدایت کی تھی جو اسے

پتا سمجھ کر بُرا ماننے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ سارجنٹ شریف جیسے ہوشیار اور ذہین لوگ تو فوراً سمجھ جائیں گے کہ ہم مذاق فرما رہے ہیں۔"

شریف نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے ٹرے اپنی طرف سرکائی اور چائے بنانے لگا۔ آغا صاحب سر کھجاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

"یہ دُودھ ہے یا چُونے کا پانی۔" شریف نے پیالی میں دُودھ ڈالتے ہوئے کہا "نصف سے زیادہ ڈال چکا ہُوں مگر چائے ویسی سیاہ رکھی ہے۔"

"اچھا"، شہزادے نے بڑی حیرت سے کہا "ذرا ہمیں دکھانا۔"

اس نے دُودھ دانی اٹھا کر اس میں جھانکا۔

"آغا صاحب"، شہزادے نے آواز دی۔ چند لمحہ بعد آغا صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

"آغا صاحب۔ آجکل دودھ کہاں سے آرہا ہے۔"

"کارپوریشن کے نلکوں سے۔" آغا شامت نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے سرکار! آپ دُودھ کے پانی ہونے کی شکایت کریں گے مگر آپ کو کیا معلوم کہ میں ایک ہفتہ میں سات دودھ والے تبدیل کر چکا ہُوں۔ بقول شاعر ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ ہر نیا دُودھ والا پچھلے سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوتا ہے۔ دودھ میں پانی سے بات شروع ہوئی تھی۔ اب پانی میں دُودھ تک آچکی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ اب اگر پہلے والے کو بلایا تو وہ فوراً دام بڑھا دے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ"، شہزادہ علی ایک دم کھڑا ہوگیا" اور ہم ایک ہفتہ سے چائے کی برانڈ پر برانڈ بدلے جا رہے ہیں کہ شاید پتی خراب ہونے کی وجہ سے آجکل ہمیں چائے بد مزہ معلوم ہو رہی ہے۔"

"مگر آپ جا کہاں رہے ہیں۔" شریف نے شہزادہ علی کو الماری سے کوٹ نکال کر پہنتے دیکھ کر پوچھا۔

"گائے بھینس خریدنے۔" شہزادے نے جواب دیا "دودھ کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے گھر کا دُودھ استعمال کریں۔"

"مگر ملاوٹ صرف دودھ ہی میں تو نہیں ہوتی۔"

"ہمیں معلوم ہے۔ اسی لیے ہم بڑی سنجیدگی سے یہ مہم چلانے پر غور کر رہے ہیں کہ ملک کے ہر شہری کو اپنی جملہ ضروریات کے معاملے میں خود کفیل بنایا جائے۔ اس کا اپنا کھیت ہو۔ اپنی آٹا پیسنے کی چکی ہو۔ اپنا ڈیری فارم ہو۔ اپنا دوائیں بنانے کا کارخانہ اور اپنا ہسپتال ہو۔ اپنا اسکول اپنا کالج، اپنی کپڑے کی مل۔ غرض ضرورت کی ہر چیز وہ خود بناتا یا پیدا کرتا ہو۔ اس کے بغیر اس ہمہ گیر ملاوٹ کا سدباب نہیں کیا جا سکتا۔"

شریف اس وقت شہزادہ علی کی بات کو ایک مذاق ہی سمجھتا رہا۔ جب تک شہزادے نے اپنی کار بھینس کالونی کے مشہور ڈیری فارم "خالص ڈیری فارم" کے گیٹ پر نہیں روک دی۔

"یعنی آپ سچ مچ بھینس پالیں گے۔" اس نے حیرت سے پُوچھا۔

"ابھی ہم نے یہ طے نہیں کیا کہ بھینس پالیں گے یا گائے۔" شہزادے نے کار کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے کہا "ویسے تمہارا مشورہ کیا ہے۔"

"اگر آپ نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میرے خیال میں بھینس بہتر رہے گی۔" شریف بھی اتر آیا۔

"لیکن ہمیں بھینس کے آگے بین بجانا نہیں آتا۔" شہزادہ علی نے جواب دیا۔

"وہ تو محاورۃً بجائی جاتی ہے۔" شریف مسکرایا "آپ نے محاورات پر باقاعدہ ریسرچ کی ہے۔ آپ کے لیے یہ بات کیا مشکل ہوگی۔"

"خیر دیکھتے ہیں۔" شہزادہ علی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

اندر پہنچے۔ دور تک ٹین کے طویل شید پڑے ہوئے تھے جن میں سینکڑوں گائیں اور بھینسیں کھڑی ہوئی تھیں۔ شیڈوں کے آگے ایک خاصی بڑی عمارت بنی ہوئی تھی۔ عمارت کے

دو حصے تھے۔ بڑے حصہ میں دودھ کو بوتلوں میں بھرنے اور سر بند کرنے کی مشین۔ مکھن نکالنے اور اسے پیکٹوں میں رکھنے کی مشین وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ چھوٹے حصہ میں ڈیری فارم کا آفس قائم تھا۔ شہزادہ علی اور شریف آفس کے قریب پہنچے تو باہر ہی ایک صاحب تہمد باندھے بنیان پہنے دودھ کا گلاس پی رہے تھے۔

"ہمیں منیجر صاحب سے ملنا ہے۔" شہزادہ علی نے کہا۔

"میں ہی منیجر ہوں۔" جواب ملا "فرمایئے۔"

"اگر آپ منیجر ہیں تو ہمیں آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" شہزادہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "ہم ایک خانگی ڈیری فارم کھولنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کچھ مویشی قابل فروخت ہوں تو ——"

"میں سمجھ گیا۔" منیجر نے بات کاٹی۔ "مگر ہم مویشی فروخت نہیں کرتے دودھ بیچتے ہیں۔ ویسے آپ کو کتنے جانور درکار ہیں۔"

"زیادہ سے زیادہ ایک۔" شہزادے نے سادگی سے جواب دیا۔

"کیا۔" منیجر صاحب چونکے۔ "آپ ایک جانور سے ڈیری فارم کھولیں گے۔"

"خانگی ڈیری فارم۔"

"اوہ آپ کا مطلب ہے کہ ذاتی استعمال کے لئے۔" منیجر صاحب نے ذہانت کا ثبوت دیا۔

"جی ہاں۔ آپ بالکل ٹھیک سمجھے۔"

"ہم یوں تو اپنے جانور فروخت نہیں کرتے لیکن اتفاق سے ابھی اسی ہفتہ ہم نے کچھ نئے مویشی منگوائے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک آدھ تو آپ کو دلوایا جا سکتا ہے۔" منیجر صاحب نے سوچتے ہوئے کہا "آیئے میرے ساتھ۔"

"شکریہ۔ ہمیں بھی یہ ہی معلوم تھا کہ آپ نے کچھ نئے جانور منگوائے ہیں۔" شہزادہ علی نے ساتھ چلتے ہوئے کہا "کریم آباد اسٹیشن پر انہیں ویگنوں میں دیکھا تو ہمیں بہت پسند آئے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ خریدیں گے تو ان میں سے ہی کوئی خریدیں گے۔"

منیجر صاحب شہزادہ علی اور شریف کو ساتھ لیے ایک نسبتاً چھوٹے سٹیڈ میں آئے۔

"یہ لیجئے یہ ہیں وہ جانور، پسند کر لیں۔" انھوں نے کہا۔

"دیکھنے میں تو سب ہی خوب صورت ہیں۔" شہزادہ علی نے بڑے غور سے جملہ گاؤں بھینسوں کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ بتایئے کہ اصیل بھی ہیں۔"

"اصیل۔"

"ہمارا مطلب اعلیٰ نسل سے ہے۔"

"اوہ۔ جی ہاں سب اصیل ہیں۔"

"کوئی ثبوت۔"

"جی۔"

"کوئی پہچان کہ یہ اصیل ہیں۔" شہزادے نے کہا۔

منیجر صاحب اس طرح اس کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے اس کی ذہنی حالت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"رہنے دیجئے۔" شہزادہ نے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا معلوم ہو گیا کہ آپ کو اصلی نقلی کی کچھ زیادہ شناخت نہیں ہے۔ ہم خود ہی پہچان کریں گے۔ ایک چھڑی تو منگوایئے۔"

"چھڑی۔"

"جی ہاں۔ چھڑی۔ لکڑی۔ ڈنڈا۔ لاٹھی کچھ بھی ہو۔ لاٹھی ہو تو زیادہ اچھا ہے تاکہ اگر ہم کوئی بھینس خریدیں تو لوگوں کو ہمارے دعوئ ملکیت پر شبہ نہ ہو۔"

شریف حیرت سے شہزادے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ کرنا کیا چاہتا ہے۔ منیجر صاحب ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کرنا چاہیے کہ شہزادے کو ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کچھ فاصلے پر ایک لکڑی زمین پر پڑی نظر آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔

"آیئے ہم بتائیں کہ اصیل جانور کی پہچان کیا ہوتی ہے۔" شہزادے نے لکڑی ہلاتے ہوئے کہا۔

شیڈ میں تقریباً چالیس پچاس مویشی تھے جن میں گائیں بھی تھیں اور بھینسیں بھی ۔ شہزادہ نے ایک سرے سے چلنا شروع کیا۔ وہ ہر جانور کے سامنے رُکتا اور لکڑی سے پہلے اس کے ایک سینگ پر چوٹ مارتا اور پھر دُوسرے پر ۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ بھی ہلتے جا رہے تھے بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی پادری یسوع مسیح کی بھیڑوں کو برکت دے رہا ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہیں" شریف نے حیرت سے پوچھا۔

"عام لوگ جس چیز کو سینگ سمجھتے ہیں اصل میں وہ عقل و ذہانت کے ایریل ہوتے ہیں" شہزادہ نے بتایا " اور انسان ہو یا حیوان ۔ عقل سے زیادہ کوئی معتبر چیز ایسی نہیں ہوتی جو اس کی اصلیت کا پتہ بتا سکے "

ادھر گائے بھینسوں کا یہ حال تھا کہ خود بھی اس عجیب و غریب عمل کو بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھیں مگر ابھی تک کسی گائے یا بھینس نے کسی خاص ردِّ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا ۔ کوئی بیس جانوروں کے بعد شہزادہ علی ایک گائے کے قریب پہنچا۔ گائے بڑی خوبصورت تھی سینگ بھی کافی بڑے سیدھے اور کسی قدر آگے کی جانب جھکے ہوئے تھے۔ شہزادہ علی نے لکڑی اٹھائی اور اُلٹے سینگ پر ماری ۔ گائے نے پلکیں جھپکائیں اور جگالی کرتے ہوئے شہزادہ کی طرف دیکھا۔ شہزادہ نے دوبارہ لکڑی اٹھائی اور سیدھے سینگ پر ماری۔ سینگ پر لکڑی کا لگنا تھا کہ گائے جیسے سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ شہزادہ نے آگے جھک کر دوبارہ لکڑی ماری ۔ اس مرتبہ گائے اس طرح ڈکرائی جیسے شکایت کر رہی ہو اور ساتھ ہی اتنا پیچھے ہٹ گئی کہ اب شہزادہ جھک کر بھی اس کے لکڑی نہیں مار سکتا تھا۔ مینجر صاحب اور شریف حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے ۔

" اتنے جانوروں میں صرف یہ گائے خالص النسل ہے " شہزادہ علی نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا " ویسے ذرا احتیاطاً ہم باقیوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں "

مگر اس ایک گائے کے علاوہ شہزادہ علی کے معیار کے مطابق کوئی اور گائے یا بھینس اصیل ثابت نہیں ہو سکی ۔ وہ واپس اسی گائے کے پاس آ گیا۔

" ہاں تو مینجر صاحب ۔ اس گائے کی کیا قیمت ہوگی "

" پہلے آپ یہ بتایئے کہ اتنی گائے بھینسوں میں آپ کو یہ ہی گائے اصیل کیوں معلوم ہوئی " مینجر صاحب نے پوچھا۔

" اس کا جواب اتنا آسان نہیں ہے کہ ہم آپ کو ایک لیکچر میں سمجھا دیں ۔ باقاعدہ سرکٹ اور ڈائگرام کھینچ کر بتانا پڑے گا" شہزادے نے جواب دیا " اس کے علاوہ یہ ایک تجارتی راز بھی ہے۔ ہم نے خود اسے ٹیکساس امریکہ میں رقم کثیر خرچ کر کے حاصل کیا تھا ۔ آپ تو اس گائے کی قیمت بتایئے "

" اگر آپ میرے سوال کا جواب دے دیں تو میں یہ گائے مفت آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں " مینجر صاحب نے لالچ دینے کی کوشش کی۔

" کیا سوال ؟"

"یہ ہی کہ آپ کے نزدیک اصیل ہونے کی کیا پہچان ہے ۔"

شہزادہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔

" اچھا اگر آپ ایک دن صبر کرنے کا وعدہ کریں تو ہم اس پر بھی غور کر سکتے ہیں " اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب ؟"

" مطلب یہ کہ ہم یہ گائے ابھی لیے جاتے ہیں ۔ کل اسی وقت ہم آپ کو اس کی اصلیت بتا دیں گے " شہزادے نے کہا " گائے کے بارے میں آپ کو پریشان اس لئے نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نہایت شریف آدمی ہیں ۔ ایک گائے کے لیے بے ایمانی نہیں کریں گے ۔ ویسے شخصی ضمانت کے طور پر ہم سارجنٹ شریف صاحب کو پیش کرتے ہیں ۔ کیپٹن شہزاد کے اسسٹنٹ ہیں اور آپ کو یقین دلا سکتے ہیں کہ گائے لے جانے کے بعد ہماری نیت میں کوئی کھوٹ واقع نہیں ہوگا "

" آپ سارجنٹ شریف ہیں کیپٹن شہزاد کے اسسٹنٹ " مینجر نے حیرت سے شریف کی طرف دیکھا

" اور یہ صاحب خود شہزادہ علی ہیں کیپٹن کے بہترین دوست " شریف نے بتایا

"اچھا۔ پھر آپ ضرور گائے لے جائیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" مینجر صاحب نے جلدی سے کہا "مگر کل اپنا وعدہ پورا کیجئے گا۔"

"ضرور۔" شہزادے نے گردن ہلائی۔ "ہم نے کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی۔"

"آیئے تو پھر میں اسے بھیجنے کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام کردوں۔" مینجر صاحب نے کہا۔

وہ شیڈ سے نکل کر بلڈنگ کے عقبی حصہ کی طرف چلے جہاں ایک خاصا بڑا سا موٹر گیراج بنا ہوا تھا۔ اس وقت گیرج میں چھ ٹرک اور دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ گیرج کے قریب ہی ایک کمرے میں تین چار آدمی ڈرائیوروں کی وردی پہنے تاش کھیل رہے تھے۔ مینجر صاحب نے ان میں سے ایک کو ٹرک نکال کر شیڈ نمبر پانچ کے سامنے لانے کے لیے کہا۔

جلد ہی ٹرک آگیا اور گائے کو ٹرک پر لاد دیا گیا۔

"آپ تو اپنی کار میں جائیں گے۔" مینجر نے شہزادے سے پوچھا "ڈرائیور کو گھر کا پتہ بتادیں۔"

"تم نے پولیس ہیڈکوارٹر دیکھا ہے۔" شہزادہ علی نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تم بس سیدھے وہیں چلے جاؤ۔" شہزادہ نے کہا اور شریف کی طرف دیکھ کر بولا "بلکہ بہتر ہے کہ تم بھی ساتھ ہی چلے جاؤ۔ وہاں کیپٹن شہزاد سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ ہم نے یہ گائے بھیجی ہے۔ آپ ذرا پولیس لیبارٹری میں چیک کر کے دیکھ لیں کہ اصیل ہے یا نہیں۔ کہنا کہ ہمیں اس زحمت کا احساس ہے۔ آج اتوار نہ ہوتا تو ہم کسی دوسری لیبارٹری میں بھجوا دیتے۔"

"پولیس لیبارٹری۔" شریف چونکا "مگر کیوں۔"

"ہم نے کہا کہ چیکنگ کے لیے۔" شہزادے نے پھر کہا "اگر مینجر صاحب سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو دوسری بات تھی مگر اب ہم ایک مستند لیبارٹری سے اپنی تسلی خستہ تصدیق کرانا ضروری خیال کرتے ہیں۔"

"لیکن اس وقت کیپٹن شہزاد اپنے آفس میں کہاں ہوں گے۔" شریف نے کہا "ابھی آپ نے خود کہا کہ آج اتوار ہے۔"

"تم گائے لے کر جاؤ تو سہی۔" شہزادہ علی نے اصرار کیا "ہمیں امید ہے کہ وہ کسی نہ کسی کام سے وہاں ضرور آئے ہوں گے۔"

شریف کی حیرت قابل دید تھی مگر اس نے بحث نہیں کی اور ٹرک میں ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ کر چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد شہزادہ علی مینجر صاحب کا شکریہ ادا کر کے خود بھی رخصت ہو گیا۔ ڈیری فارم سے کافی فاصلے پر آنے کے بعد اس نے ایک سائڈ میں کار روکی۔ ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کے نیچے لگا ہوا ایک خفیہ بٹن دبایا۔ بٹن دباتے ہی ایک خانہ نمودار ہوا۔ اس میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا میک اپ بکس نکالا اور عقبی آئینہ کا رُخ ذرا اپنی طرف کرتے ہوئے مصروف ہو گیا۔ پندرہ منٹ بعد جب اس نے میک اپ بکس بند کر کے دوبارہ خانے میں واپس رکھا ہے تو کیپٹن شہزاد بن چکا تھا۔

ایسے مواقع کے لئے اس نے پولیس ہیڈکوارٹر کے قریب ایک پرائیویٹ گیرج کرایہ پر لے رکھا تھا جہاں حسب ضرورت استعمال کرنے کے لئے دو تین کاریں موجود رہتی تھیں اس نے بیوک کار گیرج میں چھوڑی جسے وہ شہزادہ علی کی حیثیت سے استعمال کرتا تھا اور کیپٹن شہزاد کی گرے کلر فیٹ کار میں بیٹھ کر ہیڈکوارٹر چل دیا۔

شریف کو بالکل امید نہیں تھی کہ اس وقت کیپٹن شہزاد ہیڈکوارٹر میں موجود ہوگا۔ اس لئے جب اس نے آفس بند دیکھا تو قطعی حیرت نہیں ہوئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ٹرک ڈرائیور سے شہزادہ علی کے فلیٹ چلنے کے لیے کہتا اسے سامنے سے مولا بخش آتا ہوا نظر آگیا۔ اسے معلوم تھا کہ رقاصہ گلنار کے قتل کے سلسلہ میں کیپٹن مولا بخش کی مدد کر رہا ہے۔ اس لیے یونہی کسی خاص خیال کے بغیر وہ بھی مولا بخش کی طرف بڑھ گیا۔

"انسپکٹر صاحب۔" اس نے قریب آتے ہوئے کہا "آپ کو معلوم ہے اس وقت کیپٹن ہیڈ کوارٹر میں موجود ہیں یا نہیں۔"

"میں خود بھی تم سے یہ ہی کہنے آ رہا تھا" مولا بخش نے جواب دیا "کیپٹن موجود تو نہیں ہیں مگر انہوں نے مجھے فون کیا تھا کہ میں خود بھی تین بجے تک ہیڈ کوارٹر پہنچ جاؤں اور اگر تم آؤ تو تم سے بھی کہہ دوں کہ ان کے آنے کا انتظار کرو۔"

"اچھا۔" شریف کو ظاہر ہے کہ اس پیغام پر حیرت ہونا چاہیے تھی۔ بھلا کیپٹن شہزاد کو کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ ہیڈ کوارٹر آنے والا ہے۔"

"یہ ٹرک کیسا ہے۔" مولا بخش نے پوچھا۔

"اس میں ایک اصلی نسل کی گائے ہے جو شہزادہ علی نے کیپٹن کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجی ہے کہ ذرا پولیس لیبارٹری میں اس کی چیکنگ کرا دی جائے۔"

"گائے کی چیکنگ۔" مولا بخش نے آنکھیں پھاڑیں۔

"آپ کو کیپٹن نے کب فون کیا تھا۔" شریف نے پوچھا۔

"آج صبح۔" مولا بخش نے جواب دیا۔

ابھی شریف اس بات پر غور ہی کر رہا تھا کہ اس نے کیپٹن شہزاد کی فیئٹ کار ٹرک کے پیچھے رکتے دیکھی۔

"کیپٹن آ گئے۔" اس نے مولا بخش سے کہا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ کیا ہے۔" کیپٹن شہزاد نے کار سے اترتے ہوئے ٹرک کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کو نہیں معلوم۔" شریف نے غور سے کیپٹن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے ابھی تمہارے سامنے ہی تو آ رہا ہوں۔"

"پھر آپ نے انسپکٹر صاحب کو فون کر کے یہ ہدایت کیوں کی تھی کہ میں ہیڈ کوارٹر آؤں تو مجھے آپ کے آنے تک روک لیا جائے۔" شریف نے جرح کی "اس کا مطلب تو یہ ہی ہوتا ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ میں آنے والا ہوں۔ اور جب یہ معلوم تھا تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کیوں آنے والا ہوں۔"

"میں نے انسپکٹر کو فون کیا تھا۔ کب؟" کیپٹن نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"آج صبح۔" مولا بخش نے جواب دیا "اور آپ نے مجھے ٹھیک تین بجے ہیڈ کوارٹر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔"

"اچھا۔" کیپٹن کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں پڑنے لگیں "اور مجھے بھی ابھی نصف گھنٹہ پہلے ایک فون ملا جس میں فون کرنے والے نے اپنا نام بتائے بغیر یہ کہا کہ اگر میں سوا تین بجے تک ہیڈ کوارٹر پہنچ جاؤں تو اس سے بہتوں کا بھلا ہو سکتا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" مولا بخش نے حیرت سے کہا "یہ فون کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔"

"اس سوال سے بعد میں نبٹیں گے۔" کیپٹن نے جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا "پہلے یہ بتاؤ کہ یہ ٹرک میں گائے کیسی ہے۔"

"یہ شہزادہ علی نے آپ کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجی ہے کہ ذرا پولیس لیبارٹری میں اس کی چیکنگ کرا دیں۔" شریف نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"چیکنگ گائے کی۔" کیپٹن کی آنکھوں میں سوچ کے تاثرات ابھرے "اوہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ فون بھی انہوں نے ہی کیا ہو۔"

وہ مولا بخش کی طرف گھوما۔

"اس گائے کو ٹرک سے اتروا کر پولیس لیبارٹری میں لے چلو۔"

"کیا۔" مولا بخش اچھل پڑا "یعنی آپ بھی ——————" اس نے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"میں بھی کیا۔" کیپٹن نے پوچھا۔ پھر خود ہی عجیب انداز میں مسکرا کر کہا "تمہارا مطلب ہے کہ میں بھی شہزادہ علی کی طرح ایک حماقت کر رہا ہوں۔ مگر تمہارا خیال غلط ہے۔ شہزادہ علی کم سے کم میرے ساتھ اس قسم کا مذاق نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بظاہر احمقانہ بات میں کوئی نہایت سنجیدہ بات چھپی ہو۔ گائے کو لیبارٹری لے چلو۔"

اور پھر گائے ٹرک سے اتار کر پولیس لیبارٹری میں لے جائی گئی۔

"مگر سوال یہ ہے کہ میں چیک کیا کروں۔" لیبارٹری انچارج نے کیپٹن شہزاد کو حیرت سے گھورتے ہوئے پوچھا

"گڈ آئیڈیا۔" کیپٹن شہزاد نے اچانک کہا۔ وہ اب تک بڑی خاموشی سے سگرٹ کے

کش لگاتے ہوئے کچھ سوچنے میں مصروف تھا" شہزادہ علی کا جواب نہیں جو بات میری سمجھ
میں نہیں آ رہی تھی اس تک ان کا ذہن پہنچ گیا۔"

وہ لیبارٹری انچارج کی طرف گھوما۔

"سب سے پہلے آپ اس کے سینگ چیک کریں۔" اس نے کہا۔

"سینگ کی چیکنگ۔"

"جی ہاں۔ ایک طاقتور محدب شیشہ لیں اور دونوں سینگوں کو غور سے دیکھیں۔
پھر بتائیں کہ آپ کو اس میں کوئی خاص بات نظر آتی ہے۔" کیپٹن نے کہا۔

لیبارٹری انچارج نے یہ ہی کیا۔ مولا بخش اور شریف حیرت سے یہ ساری کارروائی
دیکھ رہے تھے۔

"مجھے تو کوئی خاص بات نظر آتی نہیں سوائے گندگی اور جراثیم کے" لیبارٹری انچارج
نے اُلٹے سینگ کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد بتایا

"اب ذرا سیدھا سینگ بھی دیکھیں۔" کیپٹن نے ہدایت کی۔ منہ بناتے ہوئے
لیبارٹری انچارج دوسرے سینگ کی طرف بڑھ گیا۔

"اوہ" اچانک اس کے منہ سے نکلا "یہ کیا۔"

"کیا بات ہے۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"یہ سینگ نہ صرف دو جگہ سے چٹخا ہوا ہے اور نہ صرف اس پر کئی گہری لکیریں سی
بنی ہوئی ہیں بلکہ اس پر خون کے دھبے اور ایک دو انسانی بال بھی نظر آ رہے ہیں۔" انچارج
نے جوش کے ساتھ بتایا" اتنا ہی نہیں سینگ جہاں سے چٹخا ہوا ہے اس کی درزوں میں
مجھے کوئی مادہ بھی نظر آتا ہے۔"

"گڈ۔" کیپٹن شہزاد نے جواب دیا" میرا بھی یہ ہی اندازہ تھا۔ اب آپ ان دھبوں،
درزوں میں پھنسے ہوئے اس مواد کو اور اس انسانی بال کو چیک کریں اور معلوم کریں کہ
کیا یہ خون کے دھبے اور وہ مواد بھی کسی انسان کے ہو سکتے ہیں۔"

"آخر یہ سب کیا تماشا ہے۔ آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔" مولا بخش سے خاموش

نہیں رہا جا سکا۔

"تھوڑا صبر اور انسپکٹر۔ ذرا لیبارٹری کی رپورٹ مل جانے دو۔ پھر میں ہر سوال کا
جواب دے دوں گا۔" کیپٹن نے سنجیدگی سے کہا۔

انہیں لیبارٹری رپورٹ کے لئے ۲ گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ ٹیسٹ کرنے کے لئے
مقدار اتنی کم تھی کہ اسے بہ مشکل سینگ سے علیحدہ کیا جا سکا۔ آخر کوئی ساڑھے پانچ بجے
انچارج دونوں رپورٹیں ہاتھ میں لئے تجربہ گاہ سے برآمد ہوا۔

"کیپٹن" اس نے رپورٹیں دیتے ہوئے کہا" دھبوں کا خون قطعی کسی انسان کا ہے
اور سینگ کی درزوں میں جو مادہ پایا گیا وہ انسانی مغز کے خلیے ہیں۔ میں پورے یقین سے
کہہ سکتا ہوں کہ اس گائے نے کسی انسان کے سر میں ٹکر ماری ہے اور اس کا سیدھا
سینگ مغز کے اندر اُتر گیا ہے۔"

"کیا" مولا بخش کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا "کیا مطلب۔"

"مطلب یہ انسپکٹر صاحب کہ گلنار کی اصل قاتل یہ گائے ہے۔ تم اسے گرفتار کر کے
عدالت میں پیش کر سکتے ہو۔" کیپٹن نے ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا شریف
بھی حیرت زدہ سا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"اوہ وہ ———— وہ رشید۔" مولا بخش ہکلایا۔

"وہ صرف بلیک میلنگ کا مجرم ہے۔ اس نے گلنار کو قتل نہیں کیا۔"

"مگر یہ سب کیسے ہوا۔"

"کبھی کبھی تقدیر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اتفاقات دکھاتی ہے۔" کیپٹن
نے جواب دیا" یہ تو کچھ بھی نہیں اور بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے
تمام واقعات اسی طرح پیش آئے جس طرح تم فصاحت علی اور رشید کی زبانی سن چکے ہو۔
رشید پر اگر بلیک میلنگ کے سلسلہ میں مقدمہ چلایا جائے تب مزید تحقیقات سے یہ
بات واضح ہو سکتی ہے کہ آیا فصاحت علی کو بلیک میل کرنے کی اسکیم رشید کے ذہن کی
پیداوار تھی یا اسے گلنار نے سوچا تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے رشید نے اتفاقیہ فصاحت

کے خطوط گلنار کے پاس دیکھ کر اسے بلیک میل کرنے کی سازش تیار کی۔ اس کے نام گمنام خطوط لکھے اور جب ان خطوط سے گھبرا کر فصاحت نے گلنار سے اپنے خط واپس مانگے تو گلنار نے اپنی ذات کو شبہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے وہ خط واپس کر دیئے جو اس کے مقصد کے لئے کچھ زیادہ کارآمد نہیں تھے اور ان میں سے چند خاص خط اس بہانے سے روک لئے کہ وہ اسے مل نہیں رہے ہیں۔ اس کے بعد ان خطوط کو واپس کرنے کے لئے دس ہزار کی رقم کا مطالبہ کیا گیا۔ فصاحت رقم کی ادائگی پر تیار ہو گیا اور یہ طے پایا کہ گلنار فنکشن میں شریک ہونے کے لئے دارالحکومت جاتے ہوئے رقم وصول کر کے خط واپس کر دے گی۔ اور اگرچہ اس نے فصاحت کے بقول اسے واپس بھی کر دیئے مگر مجھے امید نہیں کہ اس نے خطوط کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں اپنے پاس رکھے بغیر ایسا کیا ہو گا۔ بلیک میلر ایک موٹی آسامی کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ دیا کرتے۔ بہرحال فصاحت نے اپنی نقل و حرکت کو شک و شبہ سے بچانے کے لئے خود بھی موتی جھیل جا کر تصویر بنانے کا پروگرام بنا لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نواب حیدر گڑھ کی صاحبزادی سے واقعی بڑی محبت کرنے لگا ہے کہ اس رشتہ کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ تھا۔ بہرحال اس نے رقم دے کر خطوط واپس لئے اور انہیں ٹرین میں ہی پھاڑ کر پھینک دیا۔ پھر لاکٹ کی واپسی پر اس کی گلنار سے تکرار بھی ہوئی۔ مزید پانچ ہزار کے وعدے پر گلنار نے وہ لاکٹ بھی فصاحت کو واپس کر دیا اور فصاحت جو اپنا مقصد پورا ہو جانے کے بعد ایک منٹ بھی گلنار کے قریب بیٹھنا گوارا نہیں کر سکا۔ گڑوالی کے اسٹیشن پہ اتر گیا۔ رشید نے یقیناً اسے اترتے دیکھ لیا ہو گا مگر یا تو از راہ احتیاط از خود نہیں گیا کہ بہرحال فصاحت ابھی ٹرین میں موجود تھا یا پھر چھوٹا اسٹیشن ہونے کی وجہ سے ٹرین اتنے وقت نہیں رکی کہ فصاحت کے جانے کے بعد رشید گلنار کے ڈبہ میں جانے کا موقع پا سکتا مگر اس درمیان میں پلیٹ فارم کے دوسری طرف والے حصہ میں اس گداگر لڑکے کی سرگرمیاں جاری تھیں اور چونکہ وہ پہلے سے تاک میں تھا۔ اس لیے اسے بہرحال یہ موقع مل گیا کہ فصاحت کے جاتے ہی گلنار کا پرس اڑا سکے۔ ٹرین چل دی۔ دوسری طرف کریم آباد میں تقدیر ایک اور اسٹیج تیار کر رہی تھی۔ لائن ڈالنے والے مزدوروں کی غفلت سے

روئی کی گانٹھوں میں آگ لگ گئی اور جس وقت تھرٹین اپ کریم آباد اسٹیشن کی حدود میں داخل ہو رہی تھی تو نہ صرف آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے بلکہ پورے اسٹیشن پر ایک ہنگامہ سا مچا ہوا تھا۔ کوئی اسٹیشن آتا ہے تو بہت سے مسافر کھڑکی سے سر نکال کر جھانکنے لگتے ہیں۔ یا تو اس مسافرانہ عادت کی وجہ سے یا پھر اسٹیشن پر ہونے والے شور و غل سن کر اور آگ کے دھوئیں اور شعلوں کو دیکھ کر گلنار اپنی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھنے لگی۔ خیال رہے کہ یہ سمت پلیٹ فارم سے مخالف والی سمت تھی۔ وہ پوری طرح کھڑکی سے آگے سر نکالے ہوئے آگ کو دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف جس لائن پر تھرٹین ڈاؤن آ رہی تھی۔ اس کے قریبی لائن پر ریلوے شیڈ کے قریب ایک مال گاڑی سامان اتارے جانے کے لئے کھڑی ہوئی تھی۔ اس میں دو کھلے ویگن خالص ڈیری فارم کے مویشیوں کے بھی تھے۔ گلنار کی موت اسی طرح لکھی ہوئی تھی۔ اس کا منہ شیڈ کی جانب تھا۔ دوسری طرف ٹرین پلیٹ فارم پر پہنچنے کے لئے مال گاڑی کے قریب سے گزر رہی تھی۔ یہ گائے یقیناً اتنا آگے اور ایسے رخ سے کھڑی ہو گی کہ اس کا نکیلا سینگ گلنار کی کنپٹی پر لگا اور اتنی زور سے لگا کہ ہڈی کو توڑتا ہوا دماغ کے اندر گھس گیا۔ اس ضرب سے گلنار کا سر کھڑکی کے دوسرے حصہ سے ٹکرایا۔ یہ وہ ہی چوٹ تھی جو دوسری کنپٹی پر آئی تھی اور جس کے بارے میں سرجن کا خیال تھا کہ پہلے اس ضرب سے گلنار کو بیہوش کر کے بعد میں کسی نکیلی مخروطی چیز سے اس کے سر پہ وار کیا گیا۔ چونکہ ٹرین چل رہی تھی اس لئے لگنے کے فوراً بعد سینگ باہر نکلا اور آنکھ تک ایک گہرا زخم لکیر کی صورت میں ڈالتا چلا گیا۔ سینگ نے دماغ کی ہڈی تو توڑ دی تھی مگر وہ خود بھی چوٹ کھانے سے نہیں بچا تھا۔ نہ صرف دو جگہ سے درزیں پڑ گئی تھیں بلکہ گلنار کے سر کی ہڈی نے ٹوٹ کر سینگ میں گہری لکیریں ڈال دی تھیں۔ خون کے دھبوں کے ساتھ ہی اس کے کچھ بال اور مغز کے غلیے بھی سینگ سے چپک گئے تھے۔ داد دینا چاہیئے شہزادہ علی کی ذہانت کو کہ انھوں نے ہم سب سے پہلے اس صورت حال کا اندازہ کر لیا اور اس سے پہلے کہ گائے کا سینگ صحت مند ہو جاتا یا اس پر لگے ہوئے نشانات ضائع ہو جاتے۔ انہوں نے اس گائے کو شناخت کر کے ہمارے پاس بھجوا دیا اور اس طرح ہم یہ ثابت کرنے میں کامیاب

ہو سکے کہ گلنار کی موت کسی جرم کا نہیں بلکہ ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ تھی۔"

○

اسی شام کو جب پیکنے سکون میں سارجنٹ شریف نے یہ تمام باتیں شہزادہ علی کو بتائیں اور شکایت کی یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ آپ نے مجھے اندھیرے میں رکھ کر ساری کارروائی کی، اگر بتا دیتے تو کیا حرج تھا تو شہزادہ کانوں پر ہاتھ رکھنے لگا۔

"سارجنٹ صاحب یہ سب کیپٹن شہزاد کی شرارت ہے" اس نے پُرزور لہجہ میں کہا "قسم لے لو کہ کس کم بخت کو یہ معلوم تھا وہ گانے ملک کی ایک ماہر فن رقاصہ کی قاتلہ ہے۔ ہم بالکل نیک نیتی کے ساتھ تاگی ڈیری فارم کے لئے جانور خریدنے گئے تھے۔ وہ فون والا شگوفہ بھی کیپٹن شہزاد نے ہی چھوڑا ہو گا۔ ہمیں کیا ضرورت تھی کہ ہم کیپٹن یا انسپکٹر مولا بھیج کو فون کر کے پچاس پیسوں کا خون کرتے خاص طور سے ایسی صورت میں کہ انسپکٹر صاحب سے ہمارے سیاسی تعلقات بھی ان دنوں بہتر نہیں ہیں۔ البتہ اصل جانور کی شناخت کرنے کے سلسلہ میں ہم سے ضرور غلطی ہوئی ہے۔ غالباً ہم وہ طریقہ استعمال کر بیٹھے جس سے جانوروں میں خونریزی کے رجحانات کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ تم تو خیر سمجھدار آدمی ہو ہم دس بارہ مرتبہ سمجھائیں گے تو سمجھ جاؤ گے۔ پریشانی یہ ہے کہ ہم خالص ڈیری فارم کے منیجر صاحب کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

ختم شد

جرم وسزا سیریز (۴)

اشتیاق احمد ـــــــ کا ـــــــ ایک اور انکشاف

چور بازار

⊖ ـــ فیروز گنج میونسپل کمیٹی نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے ایک تجارتی مرکز اکبر مارکیٹ کے نام سے تعمیر کیا تھا ـــــ مگر اس مارکیٹ میں چوریاں شروع ہوگئیں ـــ عجیب وغریب چوریاں ـــــ دروازے ـــ تالے ـــ بالکل محفوظ اور مال غائب۔

⊖ ـــ مرشد صاحب دو مرتبہ چیئرمین میونسپل کمیٹی کا انتخاب ہار چکے تھے ـــــ مگر اُن کا کہنا تھا ـــــ کہ انہیں دھن دھونس اور دھاندلی سے ہرایا گیا ہے۔

⊖ ـــ مرشد صاحب صاف کہتے تھے کہ موجودہ چیئرمین غلام اکبر خاں اور اُس کے حواری پبلک کا روپیہ ناجائز طور سے استعمال کر رہے ہیں ـــــ مگر اُن کے پاس اس الزام کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

⊖ ـــ پھر جب ثبوت مل گیا تو ـــــ مرشد صاحب ایک حادثہ کا شکار ہو گئے۔

⊖ ـــ پرائیویٹ سراغ رساں اختر ندیم کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ـــــ جس کا ہر ہر صفحہ نئی دلچسپیوں کا حامل ہے۔

ضخامت ـــــــ ۱۰۰ صفحات

قیمت ـــــــ ۲۵/۱ روپیہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ـــ پشاور ـــ حیدرآباد ـــ کراچی